عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیه عزیزیه کا ترجمان

ماهنامه
ذی الحجة ۱۴۳۰ھ/ دسمبر ۲۰۰۹ء

RegNo.P476

جلد:ھشتم

شمارہ:4

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرِالٰہی (آٹھویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

کثرت و تعددِ اوراد و وظائف:

بعض حضرات اورادووظائف کی کثرت کے شوق میں ''مجموعہ وظائف'' بن جاتے ہیں اس بارے میں مسلکِ سلیمانیؒ انتہائی معتدل، واضح اور میانہ روی کا حامل تھا۔ایک ندوی فاضل نے (جواوراد واذکار کے دلدادہ تھے) حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔حضرت الشیخؒ نے ان کے معمولات معلوم کرنے کے بعد ان میں جو حذف وترمیم کی وہ ''اورادووظائف'' کا مجموعہ بن جانے والے ذاکرین کیلئے سامانِ بصیرت ہے۔وضاحت کیلئے حضرت والاؒ اور فاضل مذکور کے خط کا متعلقہ حصہ بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

مکتوبِ فاضل مذکور معمولات:

(۱) تہجد کی نماز کے لئے عموماً ۲ بجے اٹھتا ہوں۔ (۲) تہجد کے بعد ۱۲تسبیح پڑھتا ہوں پھر مناجات مقبول کی ایک منزل ،سورہ یٰسین ،الرحمٰن،المزمل ،الکہف،الملک،صلوۃ و سلام، درودتاج ،اسمائے حسنٰی،دعائے گنج العرش،حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تلاوت اور چند آیات کو حفظ کرلیتا ہوں ،اتنے میں صبح کی نماز کا وقت ہوجاتا ہے۔ (۳) ہرفرض کے بعد فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ط تین بار پڑھ کر انگشت شہادت پر دم کرنے کے بعد آنکھوں میں اپنی انگلیوں کو پھرلیتا ہوں صرف صبح کی نماز کے بعد سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر الفتاح ۷۱ بار پڑھتا ہوں۔اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ط ۷بار، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ؛....... بِغَيْرِ حِسَابٍ اس کے بعد سات بار۔(۴) ہرفرض نماز کے بعد الولی ، النور، القوی ،الودودُ، الوھاب، الرحمان،الرحیم ، الرزاق ۷، ۷ بار یا عزیز یا مجیب ۴۱ ،۴۱بار پڑھنے کا معمول ہے پھر سبحان اللہ ،الحمد اللہ ۳۳،۳۳بار اور اللہ اکبر ۳۴ پڑھتا ہوں۔(۵) پانچوں وقتوں کی نماز کی فراغت کے بعد لاالہ الا اللہ، سبحان اللہ،الحمدللہ ،اللہ اکبر سوسو مرتبہ پڑھتا ہوں۔

جواب حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ. ....(۱) صبح صادق سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے اٹھنا

کافی ہے آپ اپنے یہاں کے اوقات سے اندازہ لگالیں، صبح اٹھنے کے لئے رات کوسویرے بعد عشاء سونا لازم ہے تا کہ صحت پر اثر نہ پڑے۔(۲) یہ بہت زیادہ ہے، تہجد کے بعد بارہ تسبیح کافی ہے وقت اس سے زیادہ نہیں مل سکتا وقت ملے تو درود وسلام مختصر پڑھیں درودِ تاج اور دعائے گنج العرش اور اسمائے نبویؐ کی تلاوت معمول سے خارج کردیجئے۔ان سورتوں کی اس طرح تلاوت سے بہتر یہ ہے کہ روزانہ نماز صبح کے بعد ایک پارہ قرآن پاک بہ ترتیب پڑھیں اوراس کے بعد مناجاتِ مقبول کا ایک جز۔(۳) اگر تبرکاً نور بصر کے قیام وافزائش کیلئے کرتے ہیں تو خیر ورنہ اورادِ مسنونہ میں یہ نہیں ہے۔اسی طرح صبح کی نماز کے بعد الفتاح کا پڑھنا کس غرض سے ہے یہ بھی خارج کریں۔اللہ لطیف الخ تک پڑھ سکتے ہیں۔(۴) ان سب کوموقوف کریں، تحمل کے مطابق کام کرنا چاہیے۔البتہ عصر وصبح کے بعد سبحان اللہ ۳۳، الحمد اللہ ۳۳، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھا کریں۔(۵) اس کوروزانہ (ہر نماز کے) وقت تسبیح پر پڑھ لیا کریں۔

اس کے بعد اپنے گھر والوں کوقرآن پاک ناظرہ صحت وتجوید کے ساتھ مشق کراتا ہوں (مناسب ہے)۔اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھتا ہوں (اشراق ضرور پڑھیں)۔ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ پھر سورہتا ہوں (نیند کا غلبہ ہوتو سو سکتے ہیں مگر بہتر وقت اس کے لئے قیلولہ کا وقت ہے)۔اٹھنے کے بعد چاشت کی نماز پڑھتا ہوں (چاشت کی نماز پڑھا کریں)۔اس کے بعد مولوی انوار احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں چلا جاتا ہوں (صالحین کی صحبت مفید ہے)۔کچھ دیر دینی باتیں سن کر پریس آتا ہوں پریس کے کاموں میں مشغول رہتا ہوں پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتا ہوں (پریس کے کاموں کو پوری مستعدی سے انجام دیا کریں کیونکہ طلب رزق حلال واجب ہے۔پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتا کیا چیز ہے بہرحال یہ ہمارے ہاں مروج نہیں اسکوموقوف کریں، پاسِ انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہواوراس کے لئے اللہ کافی ہے)۔

ظہر کے بعد وہی وظائف ہیں جواوپر لکھ چکا ہوں البتہ ظہر کی نماز کے بعد کلام مجید کا ناظرہ پاؤپارہ، نصف پارہ یا ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں (ظہر کے بعد تلاوت کا مضائقہ نہیں اگر صبح کو نہ ہو سکے، وظائف کی کثرت کوئی مفید چیز نہیں، اعتدال سے کام کرنا چاہیے)۔عصر کی نماز کے بعد بھی وہی وظائف ہیں (عصر کے بعد تسبیح سبحان اللہ ، الحمدللہ، اللہ اکبر پر کفایت کیجئے)۔مغرب کے نماز کے بعد ان وظائف و

اوراد کے علاوہ اول وآخر گیارہ مرتبہ درود شریف اور لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْـتَ سُبْحـانَکَ اِنِّـی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْن ایک سو مرتبہ پڑھتا ہوں۔ الباعث (۱۰۰) البدیع (۱۰۰)، الخافض (۱۰۰)، یا مغنی (۱۰۰) اور اوابین بھی پڑھتا ہوں (........ یہ اوراد کی کثرت کس غرض سے ہے اور یہ مختلف اسمائے حسنیٰ کا انتخاب کس اصول پر کیا گیا ہے، تشتت اسماء (مختلف صفات والے اسماء کو پڑھنا) سے انتشار پیدا ہوتا ہے ایک اللہ کا نام کافی ہے اور سب چھوڑ دیں)۔ (اوابین کے بعد) اپنے گھر والوں کو بٹھا کر حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھ کر سناتا ہوں اور ان دنوں بیان القرآن پڑھ کر سناتا ہوں یہ سلسلہ عشاء تک رہتا ہے (یہ بہت مناسب ہے)۔ عشاء کی نماز میں بھی وہی وظائف رہتے ہیں صرف ان وظائف کا مزید اضافہ کر دیتا ہوں، درود شریف اول وآخر سو سو مرتبہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پانسو مرتبہ اور استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنبٍ و اتوب الیہ سو مرتبہ الخالق سو مرتبہ (عشاء کی نماز کے بعد سو دفعہ استغفار کر کے سونے کے وقت کی دعائے مسنون پڑھ کر سو رہیے)۔ اس کے بعد کھانا کھا کر سو رہتا ہوں یا کبھی کبھار دین کی باتیں اپنے گھر والوں سے کرتا ہوں یا کبھی مولوی انوار احمد صاحب کے پاس آدھ گھنٹہ کے لئے دین کی باتیں سننے چلا جاتا ہوں (عشاء کے بعد کھانے اور سونے کے علاوہ مجلس نہ کریں تو بہتر ہے)۔

مندرجۂ بالا طویل اقتباس اور حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ متعدد وظائف کی بے طریقہ کثرت مفید نہیں بلکہ بسا اوقات انتشار ذہنی، تشتت قلبی، پراگندگی فکر کا سبب بن جاتی ہے اور اگر کوئی شیخ کامل میسر نہ آئے تو یہی کثرت دل ودماغ پر اثر انداز ہو جاتی ہے اس لئے بقول حضرت والا قدس سرہٗ: ''نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے۔ آہستہ چلئے مگر دواماً چلئے فائدہ کثرت میں نہیں دوام میں ہے۔ وان قل مگر اخلاص ویکسوئی ضروری ہے تا کہ نفع جلد ہو''۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ! ۲۰ فروری بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان عشاء کے بعد ہوگا۔ سارا سال خانقاہ میں اصلاحی مجالس اور قیام وطعام کا بندوبست رہتا ہے۔ ساتھی اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اپنا بستر ساتھ لائیں۔

بیان (۳۰-۱۱-۲۰۰۸) (پہلی قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہٖ الکریم!

عرض یہ ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اثرات آخرت میں جنت دوزخ کی صورت میں مرتب ہوتے ہیں۔ نیک اعمال کے اثرات جمع ہوتے جاتے ہیں جنت میں۔ فضائلِ اعمال میں حضرت شیخؒ نے حدیث لکھی ہوئی ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اس کے پودے **سبحان اللّٰہ، الحمداللّٰہ، لاالہ الا اللّٰہ، و اللّٰہ اکبر** ہیں۔ جو کوئی جتنا ان کلمات کو پڑھے گا اتنے ہی اس کے درخت زیادہ ہوں گے گویا یہ ایک مثال بیان کردی گئی یہاں کا ذکر وہاں کے درخت، یہاں کا اخلاص وہاں کی نعمتیں جو جو نیک اعمال یہاں پر ہو رہے ہیں ان کے اثرات جنت پر جا کر مرتب ہوتے ہیں۔ پہلا اثر اعمال کا عالم آخرت پر آ رہا ہے۔ ایسے ہی خراب اعمال کے اثرات جہنم کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جو آدمی شرعی سزا کے ملنے کے راستے میں رکاوٹ بنے گا اور سفارش کرے گا اس کو **ردغة الخبال** میں رکھا جائے گا۔ **ردغة الخبال** کیا ہے؟ **ردغة الخبال** وہ جگہ ہے جہاں پر جہنمیوں کا خون اور پیپ جمع ہوگا اور اس جگہ وہ لوگ قید ہوں گے جو کسی جرم کی شرعی سزا مل رہی ہو اور اس کے روکنے میں سفارش کر رہے ہوں۔ بعض اعمال کا کہا کہ ان اعمال کے بدلے میں ان کو **جب الحزن** میں رکھا جائے گا۔ **جب الحزن** جہنم کی وہ جگہ ہے جہاں کا ایک ایک بچھو خچر کے برابر ہے۔ تو یہ آخرت میں اعمال کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جن لوگوں نے جہنم سے گزرنا ہو اور اُن کی معافی وہاں پر لکھی گئی ہو کہ ان کی معافی وہاں پر ہوگی تو یہ آدمی دنیا میں خراب اعمال کرے تو یہاں ان کی پکڑ نہیں ہوتی۔ ان کے لئے پکڑ وہاں پر ہے۔ ہمارے ایک ساتھی تھے، یہ کافی عرصہ پہلے کی بات ہے، آئے اور کہا کہ بھائی کا دو کروڑ روپے کا کاروبار تھا ڈوب گیا، دیوالیہ ہوگیا اور اُن کو پشاور چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ میں نے پوچھا کہ اُن کے کاروبار کی بنیاد میں کوئی حرام چیز تو نہیں تھی؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں جی سودی حساب کتاب تھا۔ شہر کے موٹر بارگین والوں نے کاروبار چلایا ہوا ہے کہ آدمی پر گاڑی بیچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ پر یہ گاڑی بیچ دی ہے آپ مجھے دس ہزار

روپے ابھی دے دیں اور پھر مجھے ماہوار قسط دیتے رہیں۔ اس طرح دو لاکھ کی گاڑی چار لاکھ کی بیچ دیتے ہیں۔ پھر دوسرے دن آدمی آتا ہے کہ میں یہ گاڑی نقد پیسوں پر بیچنا چاہتا ہوں۔ بارگین والے دو لاکھ کی خرید لیتے ہیں اس طرح دو لاکھ جو سود ہوا اُس کو اس حیلے میں چھپا دیا۔ ہم نے نعوذ باللہ دکان کو اور کاروبار کو خدا مانا ہوا ہے، زمینداری کو، کھیت کو، زمین کو خدا مانا ہوا ہے کہ میرے روزی رسان یہ چیزیں ہیں لہٰذا دھوکا، جھوٹ فریب نہیں کروں گا تو کھاؤں گا کہاں سے؟ اس کو علماء عملی شرک کہتے ہیں۔ ایک اعتقادی شرک ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر اعلان کر دے کہ میں لات منات کو خدا مانتا ہوں یا حسن ابدال میں سکھوں کے پنجہ صاحب کو خدا مانتا ہوں اس کو اعتقادی شرک کہتے ہیں۔ عملی شرک یہ ہے کہ آدمی معبود مان کر اُس کو سجدہ تو نہیں کر رہا مگر اُس کا عمل اُس سے متاثر ہو رہا ہے۔ فرض کریں سونے کا بت بنا کر یہاں کھڑا کر دیا جائے اور میں آپ سے کہوں کہ اس کو سجدہ کریں، اس کی عبادت کریں اس سے کام بنتے ہیں تو سارے کہیں گے کہ یہ تو شرک کی دعوت دے رہا ہے، یہ کفر کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کو پکڑو، مارو، قتل کر دو یہ کہتا ہے کہ بت سے کام بنتے ہیں۔ اور بت کو توڑ کر سونے کی اشرفیاں بنا دوں اور کہوں کہ اس سے کام بنتا ہے تو سارے کہیں گے کہ ہاں یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کو توڑ کر مفاد کو لینا ہی تو اس کا خدا ماننا ہے، اسی کو تو عملی شرک کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت میں فرمایا ہوا ہے کہ **اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَهٗ ھَوَاهُ** یعنی کیا تو نے اس آدمی کا حال دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

ایک اور فتنہ آج کل چلا ہے کہ آج کا نوجوان، آج کا مولوی، آج کا مفتی یہ کہتا ہے کہ مجھے استری کیئے ہوئے کریز والے کپڑے پہناؤ، موبائل میرے ہاتھ میں پکڑاؤ اور مجھے موٹر میں بٹھاؤ۔ اچھے اچھے زمیندار اپنی اُن زمینوں کو بیچ رہے ہیں جن زمینوں پر محنت کر کے اُن کے والدین نے اُن کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ ہم نے اُن کے بڑے بوڑھوں کو دیکھا ہے کہ زمینوں پر خود محنت کرتے تھے، کپڑے اُن کے گندے ہوتے تھے، خپل ډېران به ئے په خپله غورزولو (کھیتوں میں خود اپنے ہاتھ سے گوبر والی کھاد ڈال رہے ہوتے تھے) اور یہ کہتے ہیں کہ مجھے استری کپڑے پہناؤ، موبائل پکڑاؤ اور موٹر میں مجھے بٹھاؤ۔ اس سب کے لئے پیسے چاہئیں۔ اب ایک رات میں اتنے پیسے کس کو مل سکتے ہیں، تو ان کا ذہن سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ اب اتنے پیسے کیسے اور کہاں سے ملیں گے۔ ساری سوچ اور توانائی اس پر

لگاتے ہیں۔ اگر ذکر وظیفہ بھی پوچھتے ہیں تو اس لئے کہ پیسے ملیں۔

خیر ہم بات کررہے تھے کہ اعمال کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تو اُس ساتھی سے میں نے کہا کہ چونکہ آپ کا خاندان دیندار ہے، بڑوں نے آپ کو حلال کمائی پر پالا ہے اور آپ کے حالات سے یہ نظر آرہا ہے کہ آپ لوگوں کا جہنم سے گزرنا نہیں ہے اس لئے آپ کی پکڑ یہاں پر ہورہی ہے کہ کاروبار فیل ہو رہا ہے، دھکے کھارہے ہیں، پریشان ہورہے ہیں۔ یہاں کی پریشانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آخرت کی پریشانی سے چھڑادے گا۔ جن کی یہاں پکڑ ہوجاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے کہ دنیا کے عذاب کو عذابِ ادنیٰ کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب کو عذابِ اکبر۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○ (السجدۃ:۲۱)

ترجمہ: اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب (جس کی آخرت میں وعید ہے) سے پہلے چکھادیں گے تاکہ یہ لوگ (متاثر ہوکر کفر سے) باز آئیں۔ (معارف القرآن)

کہ ان کو ہم چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے بڑے عذاب سے پہلے۔ تو بعضوں کو جہنم سے گزرنا ہی نہیں ہوتا ہے لہٰذا دنیا میں پکڑ دھکڑ ہوجاتی ہے۔ دنیا میں مصیبتیں، پریشانیاں اور مشکلات جھیل کر آخرت کے لحاظ سے فارغ ہوجاتے ہیں۔ اور جن کی پکڑ آخرت میں ہو وہ دنیا میں مزے کررہے ہوتے ہیں۔ کفار بھی سارے خراب اعمال کے ساتھ دنیا میں مزے کررہے ہیں اور ایسے ہی وہ فاسق مسلمان جسے جہنم سے گزرنا ہے اس کی دنیا میں پکڑ کم ہوگی، اس کی پکڑ آخرت میں ہوگی۔ خراب اعمال کے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے ''جزاء الاعمال'' جس میں نیک اعمال کے اچھے اثرات اور بداعمال کے خراب اثرات جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کا تذکرہ ہے۔ وقت میں تنگی، گزران میں تنگی، لوگوں کی طرف سے مخالفت، تلخ حالات، نیند نہ آنا، پریشان رہنا، (آج کل کے ڈاکٹر کہتے ہیں) ڈیپریشن ہوگیا، یہ سارے نتائج ہوتے ہیں اعمال بد کے جو دنیا کے لحاظ سے انسانوں کے کاروبار، صحت، مویشیوں اور زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مصیبت سر پر آنے والی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ڈال دیتا ہے مویشیوں پر، مال پر۔ اس کو پتا نہیں ہوتا اگر جان پر آئی ہوتی تو بہت سخت ہوتی۔ جان اللہ نے چھڑادی اور مال کی گرفت

ہو کر اللہ تعالیٰ نے فارغ فرما دیا۔ صحت پر اثرات آتے ہیں، صحت کی برکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسان کے پاس مال و دولت کے خزانے ہوتے ہیں، سب کچھ کھا سکتا ہے مگر کھانے کو دل ہی نہیں چاہتا ہے، دل بند ہے۔ کھانے کو دیکھ رہا ہے اور کھا نہیں سکتا بلکہ کھانے کو دیکھ کر اور دل خراب ہو رہا ہے۔ اس کے نوکر خوب مزے سے کھا رہے ہیں، غٹا غٹ پی رہے ہیں اور ہپ ہپ کھا رہے ہیں۔ کمانے کے لئے، سنبھالنے کے لئے یہ کُڑھ رہا ہے، مقدمے یہ جھیل رہا ہے اور کھا رہے ہیں نوکر۔ پکڑ میں یہ ہے اور مزے میں وہ ہیں۔ اللہ پاک کی یہ ترتیب انسان کو سمجھ نہیں آتی۔ یہ اعمال کے اثرات ہیں۔

نیک اعمال کے اثرات آتے ہیں۔ صحت میں برکت، مال میں برکت، وقت میں برکت، کاروبار میں برکت، مال مویشی میں، اولاد میں، کھیتی باڑی میں غرض ہر چیز میں برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ علاوہ جنت کی نعمتوں اور برکتوں کے دنیا کے لحاظ سے بھی اللہ تبارک و تعالیٰ برکت کے دروازے کھولتا ہے۔ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات بیان کرتے ہیں کہ بچے یتیم ہو گئے، عورتیں بیوہ ہو گئیں، شہادتیں ہوئیں، مال قربان ہو گئے اور قسما قسم کی سختیاں برداشت کیں۔ تو لوگ کہتے ہیں ماشاء اللہ! بہت ہی مبارک لوگ تھے، اللہ اُن کے درجات کو بلند کرے مگر ہم یہ نہیں کر سکتے۔ حالانکہ مکی زندگی کے تیرہ سال ملا کر چودہ سو بیالیس سال ہو گئے ہیں ظہورِ اسلام کے۔ اس میں تیرہ سال مکی اور چھ سال مدنی کل اٹھارہ انیس سال تکالیف کے ہیں۔ باقی چودہ سو تئیس سال گزریں ہیں مال، جان اولاد، کاروبار، حکومتیں، کروفر، دبدبہ، غلبہ، جائیدادیں، زمینیں، گورنریاں۔

جس وقت انگریز کی حکومت تھی ہندوستان پر اس کی کارگزاری میں آپ کو سناؤں۔ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی سات گاؤں زمین تھی۔ یہ فاروقی ہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد، ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے ہیں تو ان کی زمینوں پر سات گاؤں آباد ہیں۔ حضرت مولانا الیاسؒ کا خاندان صدیقی ہے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں، کہتے ہیں کہ ہماری زمین کو کاشت کرنے والے مزارعین کے دو سو مکانات تھے۔ حکومت انگریز کی تھی تب بھی اتنی برکت زندگیوں میں تھی کیونکہ مجموعی طور پر اعمال درست نہیں تھے مجموعی طور پر معیار گرا ہو تھا، انفرادی طور پر اعمال تھے اس لئے انفرادی طور پر برکات تھیں۔ اتنے سخت حالات تھے، جابر

حکومت تھی لیکن اُحادافراد یعنی ایک دوافراد کو اللہ تعالیٰ نے پھر بھی برکت میں رکھا ہوا تھا۔تو یہ کوئی اٹکل پچو اورنظریاتی (Theoritical) بات نہیں ہے بلکہ پکی ٹھکی اور عملی (Practical) بات ہے۔

میں ۱۹۸۳ء میں ہندوستان گیا ہوں جبکہ اندرا گاندھی کی حکومت تھی بڑے کروفر کی اس کی حکومت تھی۔ اس زمانے میں قاری طیب صاحب دیوبند کے مہتمم ہوا کرتے تھے۔ قاری طیب صاحب شیروانی اور علمائے دیوبند کی سفید ٹوپی پہنتے تھے، بدن انتہائی کمزور ایسا لگتا تھا جیسے کسی لکڑی کو شیروانی پہنا دی ہے اور جب بیان کرتے تھے تو گویا شیر گرجتا ہو۔ ایسے آزادی سے بولتے تھے کہ یہ اندرا گاندھی اور اس کی حکومت گویا اس کے سامنے تنکا اور گھاس ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔

اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ ہم اور آپ ایسے ماحولوں میں وقت گزار رہے ہیں جو زندگی کو برباد کر رہے ہیں۔ ہمارا اُٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں کے پاس ہے، بولنا سننا ایسی مجلسوں میں، پڑھنا پڑھانا ایسی تحریروں کا اور دیکھنا دِکھانا ایسے تماشوں کا جس کے نتیجے میں تباہی اور بربادی والے حالات ہی ہم پیدا کر رہے ہیں۔ یہ تو پھر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کسی کی دعا قبول ہو جاتی ہے اور معافی ہو جاتی ہے، جان چھوٹ جاتی ہے۔ ایسے سخت حالات آ گئے تو پھر کیا کریں گے؟ اللہ تعالیٰ اگر فوری سزائیں دیں تو وقت ہی نہیں گزار سکیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر تک مہلت دی ہوئی ہے کہ اپنی سوچ فکر کو، اختیار کو استعمال کریں اور جیسا عمل کرنا چاہیں کریں۔ کوئی جبر اور روک ٹوک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جبری نیک اعمال کروائیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا پیدا کرتا کہ ہاتھ پاؤں نہ ہوتے اور یہ کہا جاتا کہ دس سال عبادت کریں گے تو ایک ہاتھ ملے گا، پھر دس سال عبادت کریں گے تو دوسرا ہاتھ ملے گا اس طرح دونوں پاؤں کے دس، دس سال عبادت کرنا پڑے گی۔ تو سارے ہی لگے ہوتے اپنے بدن کو پورا کرنے کے لئے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی چھٹی دی ہوئی ہے، پورا اختیار دیا ہوا ہے۔ سوچ پر پابندی نہیں لگائی، عمل پر پابندی نہیں لگائی، جو کرنا چاہیں کریں کوئی جبر نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ فرمایا ہے کہ **و ھدینٰہ النجدین** اور **فالھمھا فجورھا و تقوٰھا** دوراستے بتا دیئے ہیں نیکی کا راستہ بھی بتا دیا ہے اور برائی کا راستہ بھی بتا دیا ہے۔ دونوں راستے سامنے کر دیئے گئے ہیں سوچ کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ سوچیں، نیت کریں، عمل کریں اللہ تعالیٰ نے آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ ہاں یہ بتا دیا ہے کہ سب کیا کرایا لے کر ہمارے پاس آؤ گے پھر اس کا حساب کتاب ہوگا۔

(جاری ہے)

علماء کی جرأت

(ڈاکٹر عبدالرشید صاحب (میڈیکل اسپیشلسٹ)، سابق ڈسٹرکٹ فزیشن، D.H.Q ایبٹ آباد)

ہزارہ میں لفظ خطیب صاحب حضرت مولنا محمد اسحاق صاحب کے لئے خاص تھا۔ اس لقب سے وہی مراد ہوتے تھے۔ موصوف عرصہ دراز تک جامعہ مسجد ہزارہ ایبٹ آباد کے ڈسٹرکٹ خطیب تھے۔ اُس وقت ضلع ہزارہ حسن ابدال سے لے کر گلگت تک ہوتا تھا۔ خطیب صاحب حضرت شیخ الہند مولنا محمود الحسنؒ کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۹۱۳ء کے فاضل دارالعلوم دیوبند تھے۔ جس شخص کی حضرت سے ملاقات نہ ہوئی ہو وہ ان کی باتوں کا ادراک اور دلچسپی کا اندازہ نہیں کرسکتا ہے۔ میں خیبر میڈیکل کالج پشاور کا طالبعلم تھا۔ ۱۹۶۸ء کی بات ہے جامع مسجد ایبٹ آباد میں جماعت (تبلیغ) کے ساتھ علامہ عبدالرحمٰن صاحب بہاولپور والے تشریف لائے تھے جو کسی وقت محکمہ اوقاف میں بھی رہ چکے تھے۔ مشورہ کے بعد میں رہبر کے طور پر ملاقات کرانے حجرہ میں ان کے ساتھ چلا گیا جو مسجد کے اندر ہی تھا۔ حضرت خطیب صاحب حسب معمول بڑا تکیہ لگائے اخبار کا مطالعہ کررہے تھے۔ علامہ صاحب نے سلام عرض کیا اور اپنا نام عبدالرحمٰن بتایا۔ چونکہ تعلق اور ملاقات پہلے سے تھی خطیب نے اوپر دیکھا اور پوچھا کون؟ علامہ عبدالرحمٰن بہاولپور والے؟ تو موصوف نے اثبات میں جواب دیا۔ خطیب صاحب نے اخبار چھوڑ کر گفت وشنید شروع کردی اور حضرت شیخ الہندؒ کی باتیں سنانے لگے اور فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ رات کو مجھے بلا کر پاؤں دبواتے تھے اور کچھ سیاسی باتوں کا بھی تذکرہ کرتے۔ ہمارے ہزارہ کے ایک پولیس آفیسر محمد جان خان اس وقت C.I.D میں انسپکٹر تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

''یہ انگریزوں کے لئے جاسوسی کرتا ہے انہی کے ہاتھوں ذلیل ہوگا اور اپنوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا'' بہت جلد انگریزوں نے اس کو فارغ کردیا۔ خطیب صاحب نے کہا کہ میں ایک عرصہ بعد ایک دفعہ علامہ میر ولی اللہ ایڈوکیٹ (سابق پرنسپل، لاء کالج، پشاور یونیورسٹی) کی لائبریری میں کتابیں دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص نے آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سلام کیا اور کہا کہ میں محمد جان خان ہوں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ایک پیشن گوئی پوری ہوگئی ہے اور دوسری کا انتظار ہے۔ کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ بیٹوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا ہے۔

دوران کلام فرمایا علامہ صاحب تہجد کا نام سنا ہے پڑھی کبھی نہیں ہے اور اگر امامت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو شائد نماز بھی پوری ادا نہ کرسکتا۔لیکن میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے گا۔اس لئے کہ میں نے دین کے بارے میں کبھی اپنے عزت کی پروا نہیں کی اور دوسرا یہ کہ اکابر دیوبند کے خلاف اگر کسی نے کوئی بات کی تو اس ڈنڈے (سامنے موجود تھا) سے میں نے اس کی خبر لی ہے۔

برسبیل تذکرہ فرمایا ''ایک رات گورنر شہاب الدین نے ایک بڑی دعوت کے لئے بہت سے لوگوں کو مدعو کیا۔اس میں چودھری خلیق الزمان جو مسلم لیگ کے سیکٹری جنرل اور قائد اعظم محمد علی جناح صاحب کے خاص معتمد تھے مدعو تھے۔چودھری صاحب نے مجھے دیکھ کر گورنر سے کہا معلوم ہوتا ہے'' آپ نے کچھ کانگریسی علماء کو بھی بلایا ہے'' تو گورنر صاحب نے کہا ہاں خطیب صاحب سے ہمارا تعلق ہے۔اس کے بعد چودھری صاحب نے کہا کہ یہ مولوی حسین احمد (حضرت مدنیؒ) کو شیخ اسلام کہتے ہیں میں ان کو شیخ الھنود (ہندوؤں کا شیخ) کہتا ہوں۔خطیب صاحب نے کہا کہ مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا اور میں نے کہا'' اُو شہاب الدین کھانا کھلانے کے لئے بلایا ہے یا گالیاں سنانے کے لئے'' پھر فرمایا لاٹھی تو میرے ہاتھ میں تھی میں نے غصہ میں چودھری کی کمر کے نیچے حصہ میں تین چار ڈنڈے زور سے مارے اور اسی غصہ میں ڈائننگ روم میں رکھے ہوئے سارے برتن لاٹھی سے توڑ دیئے۔اس رات گورنر ہاوس سے سب لوگ بغیر کھانا کھائے گئے۔میں نے کہا کہ یہی حضرت مدنیؒ کی کرامت ہے۔

مولوی الیاس صاحب خطیب اوقاف ضلع لاہور والے جو حضرت زاہد الحسینی صاحب قدس سرّہٗ کے عزیز تھے۔ایک دفعہ رویت ہلال کے اختلاف پر انہوں نے حکومت کے اعلان کے باوجود عید کی نماز نہیں پڑھی تو محکمہ والوں نے فوری طور پر ان کو معطل کردیا۔حضرت قاضی صاحب نے آکر خطیب سے بات کی تو خطیب صاحب نے فرمایا کہ میں نے فوراً اوقاف کمشنر لاہور کو ٹیلیفون پر بات کی کہ چونکہ کراچی کے اکابر علماء کرام نے عید نہیں کی ہے لہٰذا اب چھوٹے علماء کو آپ پابند نہیں کرسکتے ہیں لہٰذا مولوی الیاس صاحب کو فوری طور پر بحال کرو۔ورنہ میں صدر پاکستان سے بات کرتا ہوں (ایوب خان صدرِ پاکستان تھے اور ہزارے کے ناطے سے خطیب صاحب کا خیال کرتے تھے)۔انہوں نے بحال کرکے ٹیلیفون پر اطلاع دی۔

فرمایا ایک دفعہ ایک نکاح کے شرعی مسئلہ میں مجسٹریت کے پاس بحیثیت خطیب پیشی تھی۔صبح

سویرے میں گیا اور ریڈر سے فائل مطالعہ کے لئے مانگی۔اس نے انکار کیا میں زبردستی اس کے ہاتھ سے لے لی کہ یہ کوئی دیوانی مقدمہ تو نہیں ہے۔ آخر مقدمہ کا مطالعہ کر کے ہی جواب دے سکوں گا۔ریڈر اور مجسٹریٹ دونوں ہندو تھے۔جب کیس پیش ہوا تو ہندو ریڈر نے میرے متعلق مجسٹریٹ سے شکایت کی۔ مجسٹریٹ نے اسلام کے متعلق غلط ریمارکس دیئے۔میں سامنے کمرہ عدالت میں کھڑا تھا اور ہاتھ میرے لمبے تھے (موصوف کا قد چھ فٹ سے زائد تھا) میں نے آگے ہو کر اس ہندو مجسٹریٹ کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا۔وہ ڈر کر سیڑھی سے اوپر چلا گیا۔پھر مجسٹریٹ نے انگریز D.C سے میری شکایت کی۔میں نے D.C سے کہا کہ میرا دماغی معائنہ کرالیں، کیا میرا کوئی دماغ خراب ہے کہ بلاوجہ یہ حرکت کی؟ مجسٹریٹ نے میرے مذہب کے بارے میں ایسی نازیبا بات کی کہ جس سے میں مشتعل ہو گیا تھا اور مجبوراً مجھے دست دراز کرنا پڑا۔انگریز D.C نے میری بات مان لی اور کیس خارج کر دیا۔

خطیب صاحب کے صاحبزادے انور صاحب نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ صدر ایوب خان مرحوم کے دفتر کے باہر چیک لگا ہوا تھا اس کی پٹی ذرا نیچے لگی ہوئی تھی۔لکھا تھا کہ ''ہر آنے والے چیک کو اوپر کرنے کے لئے اس پٹی سے پکڑ کر چیک اٹھانا چاہیئے۔'' لیکن خطیب صاحب جاتے تو اپنی لاٹھی کی نوک سے اُٹھا کر اندر داخل ہوتے تھے۔

اس مجلس میں فرمایا کہ ایک دفعہ صوبہ مغربی پاکستان کے گورنر نے شیعہ سنی علماء کو بلایا اور آپس میں باہمی رواداری اور اخوت پر تقریر کی۔پھر اس نے علماء کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آپ میں سے کوئی مزید بات کرے۔سارے خاموش تھے۔میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے زوردار الفاظ میں کہا کہ ہم سنی محرالحرام کے دنوں میں کوئی شادی یا خوشی کی تقریب منعقد نہیں کرتے ہیں (گو محرم میں شادی کرنا شرعاً جائز ہے) اور اپنی طور پر اہل بیت کے غم میں شریک ہوتے ہیں۔اس طور پر شیعہ برادری کو بھی اس بات کا پابند کیا جائے کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ کے بارے میں کوئی ناروا بات نہ کریں اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے مسلک کا احترام کرنے کا قانونی طور پر پابند کیا جائے۔میری تقریر سے گورنر صاحب بہت متاثر ہوا اور پوچھا یہ کون ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ ہزارہ کا خطیب مولٰنا اسحاق ہے۔اس نے مجھے بلایا میں نے ملاقات کی وہ بہت خوش ہوا اور کچھ رقم بطور ہدیہ پیش کی۔

افراط تفریط

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

افراط حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں اور تفریط حد سے پیچھے رہنے کو کہتے ہیں۔ دونوں باتیں شخصیت کا نقص ہیں۔ شخصیت کا کمال اعتدال وعدل ہے۔ حد سے بڑھنے سے بھی کام خراب ہوجاتے ہیں اور حد سے پیچھے رہنے سے بھی کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔

افراط اور تفریط انسان سے زندگی کے ہر شعبے میں ہو جاتی ہے۔ مسائل کھڑے ہی افراط تفریط سے ہوتے ہیں۔ عام افراط تفریط اتنی خطرناک نہیں جتنی خطرناک علمی افراط تفریط ہے اور وہ بھی خاص کر دینی علوم میں جس کے نتیجے میں انسان استعمال ہوکر مختلف اعمال کرتا ہے۔

ایک بات عام طور سے دیکھنے میں آرہی ہے، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں ہے۔ یہ بات اصولی طور پر بالکل درست ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سخت ہے کیونکہ حقوق اللہ کا معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔ اللہ چاہے تو اپنے حقوق کو معاف فرمادے گا۔ لیکن حقوق العباد کی معافی کا اختیار بندوں کو دیا ہوا ہے، جب تک وہ معاف نہ کریں معاف نہیں ہوں گے۔ یہ بات یہاں تک تو بالکل درست ہے۔ لیکن اس بات کو اس طرح سمجھنا اور برتنا کہ حقوق العباد کی تو اہمیت ہے اور نعوذ باللہ حقوق اللہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ یہ افراط تفریط ہو جاتی ہے۔ جب آدمی حقوق اللہ یعنی نماز، روزہ، ذکر فکر شروع کرتا ہے تو یہی چیز تو اس کے اندر ایک ایمان، احتساب، خوف اور احتیاط کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور اس کو حقوق العباد کے بارے میں محتاط بناتی ہے جس سے وہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں محتاط ہوتا ہے۔ نماز، روزہ، ذکر، تلاوت جس کا کچھ خرچ ہی نہیں ہے، وضو کے لئے گرم ٹھنڈا پانی بھی مفت میں ملتا ہے، جب آدمی اس کے لئے تیار نہیں تو حقوق العباد کے لئے کیسے تیار ہوگا جس کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، آرام راحت کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور عجیب پہلو سامنے آیا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے انکشاف کیا کہ اُن کے ایک رشتہ دار ہیں وہ ہر سال حج کے پیسے غریبوں کو دے دیتے ہیں اور حج کو نہیں جاتے اور کہتے ہیں

کہ لوگوں کو کھانا نہیں ملتا اور ہم حج کرتے پھریں۔ بندہ کی عرض ہے کہ ہر سال حج کی رقم غریبوں میں بانٹنے کے بعد اگر وہ پھر بھی صاحبِ نصاب ہیں یعنی اتنے پیسے ہیں کہ اُن پر حج فرض ہوتا ہے تو اُن کو کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر اتنی ہمت کریں کہ اپنی فوری ضرورتوں کو چھوڑتے ہوئے سارا مال غریبوں میں تقسیم کر دیں کہ صاحب نصاب نہ رہیں تو پھر اُن کی دلیل قابلِ قبول ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب آئے انہوں نے کہا کہ ہم قربانی کرنا چاہتے ہیں اُس کا چار ہزار خرچہ ہے۔ ہمارے محلے میں ایک بہت غریب عورت ہے تو ہم یہ چار ہزار روپے اُس کو نہ دے دیں؟ بندہ نے کہا ضرور دیں لیکن اگر یہ چار ہزار دینے کے بعد بھی آپ لوگ اگر صاحب نصاب ہیں تو قربانی پھر بھی کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر اتنی ہمت کرتے ہیں کہ اپنے سارے مال کو اس طرح غریبوں میں تقسیم کر لیں کہ آپ کی اور آپ کے خاندان کی فوری ضرورتوں سے زیادہ کچھ نہ رہے اور آپ صاحب نصاب نہ رہیں تو پھر آپ بے شک نہ کریں۔

یہ ترجیح اور تقابل تو بہت سی چیزوں میں شروع ہو سکتا ہے۔ نوافل کی جگہ خدمت خلق کریں۔ جماعت کی نماز کے لئے جانے آنے کا اتنا وقت لگتا ہے خاص کر باہر ممالک میں جہاں کئی میل دور جانا پڑتا ہے، پٹرول بھی لگتا ہے اس پیسے کو بچا کر، وقت کو بچا کر حلال کمائی کرنی چاہئے اور اس کا ایک حصہ غریبوں کو دینا چاہئے۔ یہ تقابل اور ترجیح پتہ نہیں کہاں تک پہنچے۔

فقۂ ترجیحی کی ایک اصطلاح چل پڑی ہے۔ جس میں خاص طور پر جو لوگ نفل حج اور عمرہ کرنے جا رہے ہوں اُن پیسوں کو وصول کرنے کے لئے تنظیم بنانے اور ان کو غربا پر خرچ کرنے کی ترتیب زیرِ بحث آئی ہوئی ہے۔ یہ ترجیحی بات بعض اہل علم کو ایک عجیب انکشاف معلوم ہوا ہے حالانکہ یہ کوئی نایاب بات نہیں ہے۔ آج سے پینتالیس سال پہلے بندہ کو ایک بہت سادہ سی تحریک تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ بانی تحریک حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تو ایک کامل بلند پایہ عالم، کامل صوفی تھے۔ لیکن عام جماعتیں تو عام دیہاتی، ان پڑھ امیر صاحبان ہی چلاتے تھے۔ انہیں عام سادہ جماعتوں میں بندہ نے سنا کہ علم حال کے امر کے جاننے کی کوشش کو کہتے ہیں کہ اس وقت کس عمل

میں لگ کر میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ راضی کر سکتا ہوں۔نفل حج وعمرے والی تنظیم حضور ﷺ یا خلفاء راشدین کے دور میں وجود میں آجاتی تو زیادہ اچھا ہوتا کہ بعد والے لوگوں کو تکلیف نہ ہوتی۔وہاں فرض حج، نفل حج، عمرہ، نوافل، اذکار، خدمتِ خلق، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا ہر چیز کے اپنی جگہ مستقل فضائل وفوائد بیان ہوئے ہیں۔ایک کی وجہ سے دوسرے کا رَد نہیں ہے۔اگر ایک آدمی اپنے مزدوروں، کسانوں پر ظلم کر کے یا پرایا مال دبا کر یا حرام مال سے حج کرنا چاہے تو ان برائیوں پر تنقید ہونی چاہیئے، اس کی اصلاح ہونی چاہیئے نہ کہ ایک مستحب عمل کے ترک کرنے کی ترتیب سوچنا چاہیئے۔

حرمین کی آبادی، وہاں انسانوں کا پہنچنا، موجود ہونا، وہاں کی دعاؤں کی قبولیت اس کی برکت سے امت کی معاشی حالت میں بہتری، برتری اور برکت آنا، یہ ضروری امور ہیں۔حرمین خالی ہوجائیں، ان کی آبادی نہ ہو، دشمن اُن پر غالب آنے کی جرأت کرلے، اس سے تو سارا شرعی نظام جو حقوق اللہ حقوق العباد کو بیان کر رہا ہے اس کے درہم برہم ہونے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

ساری دنیا کی غربت کا خاتمہ کسی ایک آدمی کے ذمے قطعاً نہیں ہے۔سارا سال گردوپیش میں اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق غربا پر اپنا مال خرچ کرتے رہنا اُن کی خدمت کرتے رہنا چاہیئے۔سال پورا ہونے پر اگر آدمی کی گنجائش ہے وہ حج پر چلا گیا، عمرہ پر چلا گیا تو اس کو الزام دینا اور یہ کہنا کہ فقہ ٔ ترجیحی کا فہم نہیں ہے عجیب ہے۔ہاں اگر کوئی ایسا آدمی ہو جس نے اپنا سب کچھ خرچ کردیا، اب وہ چندے کر کے لوگوں کی خدمت کر رہا ہے، تنظیم بنالی ہے اور دوسروں کی خاطر ہاتھ پھیلاتا ہے، پیسے جمع کرتا ہے، یہ تو یقیناً شب بیدار اور دن کے روزہ دار کے برابر اور مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔اس آدمی کو اگر حج عمرہ کا موقع نہ ملا تو یہ واقعی معذور ہے۔

فقہ ٔ ترجیحی والوں سے بندہ کی یہ درخواست ہے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ جو لوگ نفل حج اور عمرہ کو جانا چاہتے ہیں، وہ نہ جائیں اور یہ پیسے ہماری تنظیم کو دیں تاکہ تنظیم غریبوں کے لئے خرچ کرے۔بلکہ یوں کہیں کہ غریبوں کی خدمت کا ہمارا ادارہ ہے اس کے لئے چندہ دیں۔

سفرِ حج (آخری قسط)

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی خان صاحب، شعبۂ سول انجینئرنگ، انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)

اب اگلا مرحلہ طوافِ زیارت اور سعی کا تھا۔ ہم نے مشورہ کیا کہ پہلے حرم شریف چلتے ہیں وہاں طواف اور سعی کریں گے اور واپسی پر رات کو کسی وقت شیطان کو کنکریاں ماردیں گے۔ نیز اس دفعہ ڈاکٹر نعیم صاحب کو بھی جمرات پر لے جائیں گے تاکہ کم ازکم ایک دفعہ وہ اپنے ہاتھ سے شیطان کو کنکریاں ماریں۔ عصر کے وقت ہم حرم شریف روانہ ہوئے۔ چونکہ ہمارا ویل چیئر تو اب بے کار ہو چکا تھا لہٰذا ہم نے اپنے مکتب سے حرم کی ایک وقف ویل چیئر لے لی جس کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ ہم نے ٹیکسی کرایہ پر لی اور حرم شریف پہنچ گئے۔ حرم شریف پہنچ کر دیکھا تو انتہائی رش تھا۔ ہم نے ایک آدمی سے ۵۰۰ ریال کے عوض ڈاکٹر نعیم صاحب کو طواف اور سعی کرانے کی بات کی۔ ہم طواف کررہے تھے کہ چوتھے چکر میں اچانک ویل چیئر کا ایک پہیہ ٹوٹ گیا۔ ویل چیئر چلانے والا ایک مقامی عربی لڑکا تھا۔ وہ دوڑ کر گیا اور ایک دوسری ویل چیئر لے آیا۔ جب ہم نے طواف اور سعی مکمل کی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے پیسے دو اور میرا ویل چیئر خالی کرو۔ میں نے اُسے کہا کہ ہم آپ کو ۵۰۰ کی بجائے ۷۰۰ ریال دے دیں گے لیکن آپ ہمارے ساتھ چلے جائیں تاکہ ہم اپنی ٹوٹی ہوئی ویل چیئر کو حرم شریف میں وقف ویل چیئروں والی انتظامیہ سے تبدیل کرالیں وہ راضی ہوا اور کافی تگ ودو کے بعد ہمیں دوسری ویل چیئر مل گئی۔ ہم نے ڈاکٹر نعیم صاحب کو ویل چیئر پر بٹھادیا ور جمرات جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مشورہ ہوا کہ ٹیکسی میں سیدھے جمرات چلتے ہیں اور وہاں سے چونکہ ہمارا مکتب نزدیک ہے لہٰذا وہاں سے اپنے مکتب چلے جائیں گے۔ میں نے باہر آکر ایک ٹیکسی سے بات کی۔ ٹیکسی والے نے تقریباً ۱۰ گنا زیادہ کرایہ بتایا۔ لیکن ہم حج کا آخری بڑا رکن ادا کرنے کے بعد اتنے خوش تھے کہ ہم نے اُس سے کرایہ کم کرنے کے لیے بھی نہیں کہا۔ بہرحال ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ تھوڑا ہی آگے گئے تھے۔ تو دیکھا کہ سڑک مکمل طور پر بلاک تھی۔ ڈرائیور نے بڑی مشکل سے رش میں سے گاڑی نکالی اور ایک دوسرے راستہ پر روانہ ہوا۔ ہم جس وقت طواف زیارت اور سعی سے فارغ ہوکر ٹیکسی میں سوار ہوئے اُس وقت تقریباً رات کے ۱۰ بجے تھے۔ اور ہمارا خیال تھا کہ ہم ایک گھنٹے کے اندر اندر شیطان کو کنکریاں مار کر منیٰ میں اپنے خیمے میں ہونگے۔ لیکن شاید اللہ تعالیٰ کو ابھی ہمارا اور بھی امتحان منظور تھا۔ ٹیکسی کا ڈرائیور مقامی نہیں تھا۔ حج کے دنوں میں یرموک سے مزدوری کے لئے آیا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ راستوں کا شناسا نہ تھا۔ وہ کبھی ہمیں ایک راستے پر لے جاتا اور کبھی دوسرے پر۔ آخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پھر روڈ ایسے بلاک تھا کہ تقریباً دو گھنٹے انتظار کے بعد

بھی ہم ایک انچ آگے نہ بڑھ سکے۔ٹیکسی کا ڈرائیور اب آہستہ آہستہ ہم سے جان چھڑانے کی فکر کرنے لگا۔لیکن ہماری ایک ہی رٹ تھی کہ ہمیں جمرات پر پہنچا دیں۔ وقت گزرتا گیا۔آخر سڑک کھلی ۔ہم کبھی آگے چلتے کبھی پھر واپس آتے حتیٰ کہ رات کے ۲ بج گئے۔ بالآخر تھک ہار کہ ایک جگہ پہنچ کر ہم نے خود ہی کہا کہ ہمیں یہاں اُتار دیں۔ اُس نے بھی شکر کیا کہ ہم سے جان چھوٹی۔ ہم نے وہاں لوگوں سے پوچھا۔تو پتہ چلا کہ جمرات یہاں سے قریب ہیں۔ کچھ حاجی ایک راستے پر جارہے تھے۔ ہم بھی اُس راستے پر روانہ ہوئے۔ جیسے جیسے ہم آگے چلتے گئے۔ چڑھائی زیادہ ہوتی گئی۔اور میرے لیے کرسی کو چلانا مشکل ہوتا گیا۔راستہ کسی صورت ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ میرا سانس پھولنے لگا اور ایک ایک قدم اُٹھانا میرے لیے دوبھر ہوگیا۔قریب تھا کہ میرے ہاتھ پیر جواب دے جائیں کہ اتنے میں ایک نوجوان لڑکا میرے قریب آیا اور پشتو میں مجھ سے کہنے لگا ’’نن دے سومرہ پیسے جوڑے کڑے‘‘۔آج کتنے پیسے کما لیے۔اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا وہ مزید گویا ہوا اور کہنے لگا کہ میرا تعلق وزیرستان سے ہے میں بھی یہی کام کرتا ہوں یعنی کرسی پر لوگوں کو لانا لے جانا۔ آج میں نے بالکل مزدوری نہیں کی ہے۔لہٰذا اگر تم کہتے ہو تو میں تمہاری مدد کرلوں گا تم نے جتنے بھی پیسے ان سے لئے ہیں وہ تم جانو لیکن مجھے صرف ۱۰۰ ریال دے دینا۔میں جمرات لے جاؤں گا بلکہ آپ کو منیٰ میں اپنے خیمے میں پہنچا کر ہی واپس آؤں گا۔ میں نے اس وزیرستانی کو ایک غیبی فرشتہ سمجھ کر فوراً کرسی اُس کے حوالے کی اور اُسے صرف اتنا کہا کہ ہاں میں تمھیں ۱۰۰ ریال دے دوں گا۔میرا سانس اتنا پھولا ہوا تھا کہ اس ایک جملے کے علاوہ میں اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔شور اتنا زیادہ تھا کہ میرے اور وزیرستانی فرشتے کے مابین مکالمے سے ہمارے ساتھی بالکل بے خبر رہے۔اُنہیں صرف اتنا پتہ چلا کہ اب کرسی میرے بجائے ایک لڑکا چلا رہا ہے۔کسی نے بھی اس بات کی ضرورت محسوس نہ کی کہ اس تبدیلی پر اپنی رائے کا اظہار کریں۔ ہم چلتے گئے، یہاں تک کہ جمرات پہنچ گئے۔ہم سب نے شیطان کو کنکریاں ماری۔رش اتنا نہیں تھا۔ ہم جوش میں شیطان کے کچھ زیادہ ہی قریب آگئے تھے۔اس لیے شیطان کو کنکریاں مار کر نکلنے لگے تو کچھ جلد باز حاجیوں نے دور سے شیطان کو کنکریاں مارنے کی کوشش میں ہمیں نشانہ بنایا۔کنکریاں ہمارے آگے پیچھے دائیں بائیں گریں لیکن ہم محفوظ رہے۔کنکریوں سے بچنے کے لیے کچھ حاجی ہمارے اوپر چڑھ آئے۔کرسی کو وزیرستانی فرشتے نے جلدی سے ایک طرف کو کرلیا اور ہم بخیر و عافیت جمرات سے فارغ ہوئے۔ اگلا مرحلہ اب اپنے مکتب پہنچنا تھا۔ یہ رات کے تقریباً ۳ بجے تھے چونکہ ہمارا مکتب جمرات کے بہت قریب تھا اس لیے اگر ہم ٹھیک راستے پر چلتے تو شاید ۱۵ منٹ میں اپنے مکتب پہنچ جاتے۔لیکن ابھی عشق کے کچھ اور امتحان باقی تھے۔جمرات سے واپسی پر ہم کچھ ایسے راستہ بھولے کہ چلتے چلتے دو گھنٹے گزر گئے لیکن ہمارے مکتب کا کچھ پتہ نہ چلا۔اوپر سے اوس پڑ رہی

تھی۔آج ہوا میں خنکی کچھ زیادہ تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسا میرا پورا بدن سُن ہو گیا ہے۔میرے پاس جیب میں (Panadal extra) گولیاں تھی۔ میں حج کے دوران اس میں سے روزانہ ایک دو گولیاں کھاتا لیکن آج میں نے اکٹھے تین گولیاں کھالیں۔ کیونکہ دو گھنٹے تک سرگرداں پھرنے کے باوجود مکتب کا ابھی کچھ پتہ نہ تھا۔ہم میں سے ہر ایک اپنی مایوسی چھپانے کی کوشش کررہا تھا۔لیکن حال سب کا بہت پتلا تھا۔ مجھے جتنی دعائیں یاد تھیں سب پڑھ لیں۔ یہ تو شکر ہے کہ وزیرستانی فرشتہ ابھی تک ہمارے ساتھ تھا۔اور خلاف توقع اب تک ہشاش بشاش تھا۔ چکریں کاٹتے کاٹتے آخر کار تقریباً صبح کے ۵ بجے ہم اپنے مکتب ایسے حال میں پہنچے کہ ہم نے اپنے مکتب کا نمبر دیکھا تو ہمیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔نمبر وہی تھا لیکن گیٹ کے آس پاس کے نشانات ہمارے لیے نئے تھے۔ قاضی صاحب نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ مکتب تو ہمارا ہے لیکن یہ دوسری طرف کا گیٹ ہے۔ بہر حال ہم اندر داخل ہوئے اور تھوڑی کوشش کرکے ہمیں اپنا خیمہ بھی مل گیا۔وزیرستانی فرشتے کی مدد سے ڈاکٹر نعیم صاحب کو وقف کرسی سے اپنی ٹوٹی پھوٹی کرسی پر منتقل کردیا کیونکہ اُسمیں لٹانے کی گنجائش تھی اور فوم بھی لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نعیم صاحب کو جب ہم نے لٹادیا تو وزیرستانی فرشتے کو پیسے دینے کی باری آئی۔وزیرستانی لڑکا سچ مچ کا فرشتہ نکلا۔اُس نے باوجود تین گھنٹے تک ویل چیئر چلانے کے وہی ۱۰۰ ریال لیے اور خوشی خوشی سے چلا گیا۔ بلکہ جاتے ہوئے اپنا موبائل نمبر بھی دیا اور کہا کہ جب بھی ضرورت ہو، مجھے بلایا کرو۔ اب چونکہ فجر کا وقت داخل ہو چکا تھا۔ہم نے فجر کی نماز پڑھ لی اور پھر لمبی تان کر سو گئے۔

۱۱ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہمارا آخری دن تھا۔صبح اُٹھے تو ہمارے خیمے میں موجود ہر آدمی کے پاس ایک نئی کہانی تھی۔ ہر ایک سمجھ رہا تھا کہ سب سے زیادہ تکلیف اسی کو ہوئی ہے۔ ہر ایک اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ ہم خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔سارے لوگ میجر صاحب (حج کمپنی کے منتظم) پر غصہ نکال رہے تھے۔مگر ایک بڑی عمر کے امریکہ پلٹ پاکستانی پٹھان ریٹائرڈ انجینئر جو اپنے دو جوان بیٹوں سمیت حج کے لیے آئے ہوئے تھے، میجر صاحب کو اَن کہی سنا رہے تھے۔جب میجر صاحب بہت تنگ ہوئے تو ان کو کہنے لگے کہ یہ تو حج ہے آپ حج کے لیے آئے ہیں یا جھگڑوں کے لیے۔تو اُس نے کہا نہیں آیا ہوں میں حج کے لیے، نہیں کرتا میں حج، میں تمھیں دیکھ لوں گا۔ اس پہلے کہ یہ دونوں آپس میں گھتم گھتا ہوتے کچھ نیک دل لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا۔

اُسی دن ہم نے تقریباً ایک بجے آخری شیطان کو بھی کنکریاں ماریں۔ڈاکٹر نعیم صاحب اور اُن کی اہلیہ کے لیے میں نے اور قاضی صاحب نے کنکریاں ماریں کیونکہ حکومت کی طرف سے بار بار اعلانات ہوتے رہے کہ جمرات میں رش کی وجہ سے لوگ پھنس چکے ہیں لہٰذا خواتین، بچے اور بوڑھے جمرات نہ جائیں۔ قاضی صاحب

اور میں جب جمرات پہنچے تو واقعی باوجود بہترین انتظامات کے اتنا دھکم پیل تھا کہ قاضی صاحب نے مجھے کہا کہ اگر اس دھکم پیل میں ایک دفعہ داخل ہو گئے تو پھر ہماری خیر نہیں۔ اس لیے ہم کافی دیر تک ایک طرف کھڑے رہے۔ جب ہجوم تھوڑا کم ہوا تو ہم نے رمی کی اور پھر بخیر وعافیت اپنے مکتب واپس پہنچے۔ ڈاکٹر نعیم صاحب کو مبارک باد دیا اور کہا کہ اب حج مکمل ہو گیا ہے انشاء اللہ آگے مشکل نہیں ہے۔ اُنھوں نے اپنے والدین کو اور باقی رشتہ داروں کو فون کیا اور یوں حج کے تمام احکام اللہ کے فضل و کرم سے پورے ہوئے۔

اب ہمیں بمعہ اپنے سازوسامان کے منیٰ سے عزیزیہ جانا تھا۔ ہماری پہیوں والی کرسی کا پہیہ خراب تھا اور تبدیل بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اُس کے بغیر ڈاکٹر نعیم صاحب لیٹ نہیں سکتے تھے۔ قاضی صاحب نے اس کا حل یہ نکالا کہ وقف کرسی کا ایک پہیہ نکال کر اپنی کرسی میں لگا دیا۔ اور مشورہ ہوا کہ ہم حرم جا کر ایک نئی کرسی خرید کر وقف کر دیں گے۔

تقریباً ۳ بجے ہم منیٰ سے روانہ ہوئے۔ چونکہ عزیزیہ قریب تھا لہٰذا ہم نے یہی طے کیا کہ جہاں تک پیدل جا سکتے ہیں چلے جائیں گے، آگے ٹیکسی پکڑ لیں گے۔ عزیزیہ جانے کے لیے اوپر پل پر پہنچنا تھا اور پھر پل سے اُترنا تھا۔ چڑھائی پر کرسی چلانا مشکل کام ہے لیکن اترائی پر اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اترائی ختم ہونے کے بعد ہم ایک سڑک پر پہنچ گئے جہاں کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ہم نے ایک ٹیکسی والے سے بات کی اُسے پتہ دکھایا اور پرانے تجربے کی بنیاد پر کئی دفعہ اُس سے اقرار کرایا کہ اُسے جگہ معلوم ہے یا نہیں۔ جب اُس نے پکا اقرار کر لیا تو ہم ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید ۵، ۱۰ منٹ میں ہم اپنی عمارت میں ہوں گے۔ لیکن ابھی آخری امتحان باقی تھا۔ آگے جا کر سڑک ایسی بند تھی کہ کچھ حرکت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ٹیکسی میں اے۔سی بھی نہیں تھا۔ آج گرمی بھی زوروں پر تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے ہم اتنے تنگ ہوئے کہ ہم نے ارادہ کیا کہ اُتر کر پیدل جایا جائے۔ ابھی ہم یہ سوچ رہے تھے کہ راستہ کھل گیا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جیسا ہی راستہ کھلا، ۵ منٹ بعد ہم عزیزیہ میں تھے۔ ٹیکسی والے نے ایک جگہ جا کر گاڑی روک دی اور کہا کہ یہیں آپ کی عمارت ہے۔ میں باہر اُترا تو یہ کوئی دوسری عمارت تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ نہیں یہ ہماری عمارت نہیں ہے۔ ہم دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور اس طرح پھرتے پھرتے کبھی ایک عمارت کے پاس رُکتے اور کبھی دوسری کے پاس۔ ایک جگہ جا کر ٹیکسی والے نے کہا کہ بس اب اُترو میں مزید تم لوگوں کو نہیں پھرا سکتا۔ ہم چار و ناچار ٹیکسی سے اُترے۔ جیسے ہی ہم روانہ ہوئے میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو مجھے کچھ شناسا سا لگا۔ میں نے اپنے ذہن پر زور

دیا تو یاد آیا کہ یہ تو وہی بنگلہ دیشی لڑکا ہے۔ جو پہلے دن ہمیں اپنی عمارت میں چھوڑ گیا تھا۔ میں بھاگ کر اُس کے پاس گیا۔ اُسے کارڈ دکھایا تو اُس نے ایک طرف اشارہ کیا کہ یہ آپ کی عمارت ہے۔ میں اتنا ڈرا ہوا تھا کہ میں نے اس کے اشارے پر یقین کرنے کی بجائے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اُس سے درخواست کی کہ عمارت تک ہمارے ساتھ چلے۔ وہ ہمارے ساتھ روانہ ہوا اور دو منٹ کے اندر ہم اپنی عمارت میں تھے۔ جب ہم اپنے کمروں میں پہنچے تو بہت خوش تھے۔ ڈاکٹر نعیم صاحب کی طبیعت تھوڑی سی خراب تھی لیکن اس کے باوجود وہ کافی خوش دکھائی دے رہے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد لوگوں نے میجر صاحب کی خوب خبر لی۔ سارے لوگ میجر صاحب سے نالاں تھے۔ یہاں پر تمام لوگوں نے حکومت کے ریٹ سے ڈبل رقم اس لیے ادا کی تھی کہ حج میں آسانی ہو۔ لیکن منیٰ میں اور عزیزیہ میں ان کا انتظام دیکھ کر لوگ سخت مایوس تھے۔ رات گئے میجر صاحب کا فرمان جاری ہوا کہ کل دوپہر کو مکہ مکرمہ میں ہوٹل منتقل ہونا ہے۔ سب لوگوں کو اپنے اپنے ہوٹل اور کمروں کی تفصیلات دی گئی۔ ہماری رہائش زمزم ٹاور میں چھٹی منزل پر تھی۔ اگلے دن دوپہر کو ہم اپنا سارا سامان لے کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ میں نے ساتھیوں کو ایک طرف کھڑا کیا اور خود زمزم ہوٹل کی تلاش میں نکلا۔ جس سے بھی پوچھتا وہ باب عبدالعزیز کے سامنے ایک شاندار بلند وبالا عمارت کی طرف اشارہ کرتا۔ یہ عمارت حرم شریف سے صرف ۵۰ گز کے فاصلے پر تھی۔ کمپنی والوں کا پچھلے دن کا سلوک دیکھ کر مجھے بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ ہماری رہائش اس شاندار ہوٹل میں ہوگی۔ اس لیے کہ میں تو کسی پرانے بوسیدہ ہوٹل کا تصور ذہن میں لیے ہوا تھا۔ آخر کار جب کافی لوگوں نے بار بار یہی کہا کہ زمزم ٹاور یہی ہے تو میں ہمت کر کے داخل ہوا۔ اندر جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اس میں کافی سارے بلاک ہیں۔ اُس میں ہمارا ہوٹل بھی ہے۔ چھٹی منزل پر جا کر دیکھا تو پاکستان سے ہمارے ساتھ اکٹھے آئے ہوئے کئی ساتھی ملے۔ اُنھوں نے ہوٹل کے مینجر کو ملایا۔ وہاں سے چابی ملی۔ میں واپس آیا اور ساتھیوں کو لے کر اپنے اپنے کمروں میں پہنچا دیا۔ اگلے دن ڈاکٹر نعیم صاحب کی حالت کافی خراب تھی میں نے پاکستان میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر سفیر سلمہ‘ کو فون کیا، اُنھوں نے دوائی لکھ دی۔ میں وہ دوائیاں لے آیا۔ اگلے دن بھی ڈاکٹر نعیم صاحب کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی۔ میں نے پھر ڈاکٹر سفیر صاحب کو فون کیا۔ تو اُنھوں نے کہا کہ انھیں کلیری سڈ (Klaricid) اور آگمنٹین (Augmentin) دونوں دوائیاں اکٹھی دے دیں۔ یہ دوائیاں جیسے ہی شروع کیں تو اگلے دن سے ڈاکٹر نعیم صاحب کی حالت ٹھیک ہونا شروع ہوئی۔ ڈاکٹر نعیم ابھی پورے صحت یاب نہیں ہوئے تھے کہ میں بیمار پڑ گیا۔ میں نے بھی ڈاکٹر سفیر صاحب سے فون پر دوائیاں لکھوائی۔

دوائیاں شروع کیں لیکن کچھ خاص افاقہ نہ ہوا۔ اگلے دن میں نے ہوٹل کے مینجر کو فون کیا کہ آپ لوگوں کے پاس کوئی ڈاکٹر ہو تو بھیج دیں کہ میرا تفصیلی معائنہ کر کے دوائی لکھ دے۔ مینجر نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر تمھارے کمرے میں آجائے گا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے مجھے فون کیا۔ مجھے کہنے لگا کہ یہ ہوٹل والے آپ سے میرے ایک معائنے کے ۵۰۰ ریال لیں گے اور مجھے پتہ ہے کہ آپ پاکستانی لوگوں کے لئے یہ کافی رقم ہے۔ مزید کہنے لگا کہ میں نے کراچی کے ڈاؤ میڈیکل کالج سے پڑھا ہے۔ اس لیے میں پاکستان کا مقروض ہوں۔ آپ فون پر مجھے بتا دیں کہ آپ کو کیا تکلیف ہے میں آپ کو دوائی لکھ دوں گا۔ میں نے گلے کی خرابی اور زکام کی شکایت کی۔ تو کہنے لگا کہ جو دوائی تم کھا رہے ہو وہی ٹھیک ہے۔ اب یہ بیماری آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گی۔ عصر کے وقت قاضی صاحب مجھے پاکستان ہاؤس لے گئے جہاں پر آرمی کے کچھ ڈاکٹر مریضوں کا علاج کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ دو تین ڈاکٹر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن اتنی جلدی میں مریضوں کو دوائیاں لکھ رہے ہیں کہ جیسے روبوٹ ہوں۔ مریض خود کہتا ہے کہ مجھے یہ بیماری ہے اور ڈاکٹر بغیر مریض کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے کچھ دوائیاں لکھ دیتا ہے۔ جب میری باری آئی تو ایک نوجوان کپتان ڈاکٹر بیٹھا تھا۔ میں نے اُس سے اپنا تعارف کرایا تو اُس نے ذرا تفصیلی معائنہ کیا اور کہا کہ آپ کو الرجی ہے بس پیری ٹان گولیاں اور پلمونال شربت لے لیں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ رات کو جب میں نے دوائیاں لے لیں تو صبح حیرت انگیز طور پر میں کافی ٹھیک ہو چکا تھا۔

مکہ مکرمہ میں ہمارا قیام آٹھ دن تھا۔ آٹھ دن بعد ہمیں مدینہ منورہ جانا تھا۔ مدینہ منورہ میں چار دن قیام کے بعد ہماری واپسی تھی۔ گو حج کے دنوں میں لوگوں نے کمپنی کے ذمہ داروں کو خوب بُرا بھلا کہا لیکن جب ہوٹل میں آئے تو سارے لوگ خوش تھے۔ کیونکہ ہوٹل والوں کا انتظام بہت اچھا تھا۔ اور ہوٹل سے باہر نکل کر ہم سیدھے مسجد حرام میں ہوتے۔ ہم اگر اپنے کمرے میں بھی نماز پڑھتے تو ہمارا صفوں کے ساتھ اتصال ہو جاتا تھا، لہٰذا ہم نے بیماری کے دوران کمرے میں ہی با جماعت نمازیں ادا کیں۔

آٹھ دن گزارنے کے بعد ہم مدینہ منورہ چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں ہم اکثر اوقات مسجد نبویؐ میں گزارتے۔ صرف آخری ایک دن ساتھیوں نے کچھ شاپنگ کی۔ اور یوں تقریباً کل بیس دن گزارنے کے بعد ہماری اسلام آباد واپسی ہوئی۔ واپسی میں اللہ نے بڑی عافیت کا معاملہ کیا۔ اور مزید کسی امتحان سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بار بار حرمین کی زیارت نصیب فرمائے۔ یہ سعادت تو وہ سعادتِ ابدی ہے کہ جان کی قیمت پر بھی مل جائے تو سستی ہے۔

خونِ دل دے کے سینچا ھے یہ گلشن ھم نے

(قدرت اللہ شہاب مرحوم کی کتاب شہاب نامہ سے ڈاکٹر محمد طارق کا انتخاب)

ایک روز ایک ملاقاتی آیا جس کا نام عبداللہ تھا۔ آتے ہی اُس نے روز سے السلام علیکم کہا اور بولا کسی نے بتایا ہے کہ آپ بھی جموں کے رہنے والے ہیں، میرا بھی وہیں بسیرا تھا۔ بس ایسے ہی جی چاہا کہ کہ اپنے شہر والے کے درشن کر آؤں، اور کوئی کام نہیں۔ میں نے تپاک سے اپنے پاس بٹھا لیا اور کرید کرید کر حال احوال پوچھتا رہا جسے سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز گیا۔

جموں میں عبداللہ کی کوئی دکان تو نہ تھی لیکن وہ اپنے گھر پر ہی رنگریزی کا کام کر کے گزر اوقات کیا کرتا تھا۔ بیوی تین بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہو چکی تھی، نو برس کی زہرہ، بارہ برس کی عطیہ اور سولہ برس کی رشیدہ۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب مہاراجہ ہرہ سنگھ نے اپنی ذاتی نگرانی میں مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کا پروگرام بنایا تو مسلمان خاندانوں کو پولیس لائن میں جمع کر کے اس بہانے بسوں اور ٹرکوں میں سوار کرا دیا جاتا تھا کہ انہیں پاکستان میں سیالکوٹ کے بارڈر تک پہنچا دیا جائے گا۔ راستے میں راشٹریہ سیوک سنگ کے ڈوگرہ اور سکھ درندے بسوں کو روک لیتے تھے، جوان لڑکیوں کو اغوا کر لیا جاتا تھا، جوان مردوں کو چُن چُن کر تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا اور بچے کھچے بچوں اور بوڑھوں کو پاکستان روانہ کر دیا جاتا تھا۔ جب یہ خبریں جموں شہر میں پھیلنا شروع ہوئیں تو عبداللہ پریشان ہو کر پاگل سا ہو گیا۔ اُس کی زہرہ، عطیہ اور رشیدہ پر بھی جوانی کے تازہ تازہ پھول کِھل رہے تھے۔ عبداللہ کو یقین تھا کہ اگر وہ اُن کو اپنے ساتھ لے کر کسی قافلہ میں روانہ ہوا تو راستے میں اس کی تینوں بیٹیاں درندہ صفت ڈوگرہ جتھوں کے ہتھے چڑھ جائیں گی۔ اپنے جگر گوشوں کو اس افتاد سے محفوظ رکھنے کے لئے عبداللہ نے اپنے دل میں ایک پختہ منصوبہ تیار کر لیا۔ نہا دھو کر مسجد میں کچھ نفل پڑھے، قصاب کی دکان سے ایک تیز دھار چھُری مانگ لایا اور گھر آ کر تینوں بیٹیوں کو عصمت کی حفاظت اور سنتِ ابراہیمی کے فضائل پر بڑا موقر وعظ دیا۔ زہرہ اور عطیہ کی عمریں کم تھیں اور گڑیا گڑیا کھیلنے کی حد سے

آگے نہ بڑھی تھیں۔ وہ دونوں اپنے باپ کی باتوں میں آ گئیں۔ دلہنوں کی طرح سج دھج کر اُنہوں نے دو دو نفل پڑھے اور پھر ہنسی خوشی دروازے کی دہلیز پر سر ٹِکا کر لیٹ گئیں۔ عبداللہ نے آنکھیں بند کیئے بغیر اپنی چھُری چلائی اور باری باری دونوں کا سر تن سے جدا کر دیا۔ عجب اتفاق تھا کہ اُس روز آسمان کے فرشتے بھی اس قربانی کے لئے دو دُنبے لانے سے چُوک گئے۔ چنانچہ دہلیز پر زہرہ اور عطیہ کی گردنیں کٹی پڑھی تھیں۔ کچے فرش پر گرم گرم خون کی دھاریں بہہ بہہ کر بیل بوٹے کاڑھ رہی تھیں۔ کمرے کی فضا میں ایک سوندھی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی اور اب عبداللہ اپنے ہاتھوں میں خُون آشام چھُری تھامے رشیدہ کو بلا رہا تھا۔ لیکن رشیدہ اُس کے قدموں میں گری کپکپا رہی تھی، تھر تھرا رہی تھی، گڑ گڑا رہی تھی۔ اگر وہ پڑھی لکھی ہوتی تو بڑی آسانی سے اپنے باپ کو للکار سکتی تھی کہ میں پیغمبر زادی نہیں ہوں اور نہ ہی تم کوئی پیغمبر ہو کیونکہ ہمارا دین تو صدیوں پہلے کامل ہو چکا ہے، پھر تمہیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ میری گردن کاٹ کر ادھوری سنتیں پوری کرو۔ لیکن رشیدہ انجان تھی، کم عقل تھی اور فصاحت و بلاغت کی ایسی تشبیہات اور تلمیحات استعمال کرنے سے قاصر تھی۔ وہ محض عبداللہ کے قدموں پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہی تھی ''ابا۔۔۔۔۔ ابا۔۔۔۔۔۔ ابا۔۔۔۔''

رشیدہ کے گڑ گڑانے پر عبداللہ کے پاؤں بھی ڈگمگا گئے۔ اُس نے چھری ہاتھ سے پھینک دی۔ بہروپیوں کی طرح اُس نے رشیدہ کو ایک بدصورت سی بڑھیا کے روپ میں ڈھالا اور کلمہ کا ورد کرتا ہوا اُسے ساتھ لے کر ٹرک میں بیٹھ گیا۔ جب ٹرک والے نے قافلے کو سوچیت گڑھ لا کر اُتارا اور وہ لوہے کا پھاٹک عبور کر کے پاکستان میں داخل ہو گئے تو یکا یک عبداللہ کو زہرہ اور عطیہ کی یاد آئی جن کے سر جموں میں دروازے کی دہلیز پر کٹے پڑے تھے اور جو پھٹی پھٹی منجمد آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھتے دیکھتے دم توڑ گئی تھیں۔ وہ کمر تھام کر سڑک کے کنارے بیٹھ گیا اور رشیدہ کو گلے سے لگائے دیر تک دھاڑیں مار مار کر روتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب) (قسط نمبر:۱۷)

صدق یقین حاصل ہونا:

فرمایا کہ جب آدمی اس بات کو سمجھنے لگتا ہے کہ اس میں فائدہ ہے، اس میں میری زندگی بنے گی، اس میں میں کامیاب ہونگا، تو اب اس عمل کو اختیار کر کے آگے بڑھتا ہے۔ عام طور پر پورے اعتماد، اعتقاد اور انقیاد کا درجہ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور مجھے اور آپ کو بھی حاصل نہیں ہے کہ جب فائدہ کسی عمل کو چھوڑنے میں ہو رہا ہو تو ہم چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں، جب جھوٹ بولنے میں فائدہ نظر آرہا ہو تو اپنے دل کی طرف دیکھیں کہ آیا اس وقت ہم جھوٹ بولتے ہیں یا جھوٹ سے پرہیز کرتے ہیں۔ آدمی نمازی ہوگا، حاجی ہوگا، ذکر کرے گا، ختم کرے گا، تلاوت کرے گا لیکن دُکان پر بیٹھے گا تو کہے گا کہ اس گاڑی کی پچاس ہزار پر بات ہوئی تھی میں نے نہیں دی، تین لاکھ پر بات ہوئی تھی میں نے نہیں دی، حالانکہ وہ پچاس ہزار روپے اور تین لاکھ روپے گاہک نے نہیں کہے ہوں گے اس نے کہے ہوں گے۔ ایک دن میں نے اپنے مالی سے کہا کہ گائے کے لیے شفتل خریدو، وہ گیا اور ایک جگہ دیکھ کر آیا، اور اس آدمی سے کہا کہ یہ سو روپے کی ہے۔ اس نے کہا نہیں... میں نہیں دیتا ہوں۔ مالی نے پورا اندازہ لگایا، مجھے بھی لے گیا میں نے کہا دو سو روپے کی ہے۔ اس کے بعد اس آدمی نے کہا کہ میں نے تو چار سو روپے میں فلانے پر بیچ دی ہے۔ ہم نے کہا اچھی بات ہے، اگر بیچ دی ہے تو اچھا ہوا تمہارا زیادہ فائدہ ہو گیا۔ مالی میرا بڑا ہوشیار تھا، اس نے جا کر پوچھا تو اس آدمی نے کہا کہ جھوٹ بول رہا ہے، میں نے تو نہیں خریدی لیکن سو روپے سے زیادہ نہ دینا۔ تو مالی نے کہا دیکھو! اس نے یہ بات کہی ہے۔ اس پر آپ کو بڑا اعتماد تھا کہ اچھا آدمی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ کاروبار میں لوگ ایسے ہی کرتے ہیں، یہ حج بھی کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کرتے ہیں۔ اس عمل کرنے والے کو صدق یقین حاصل نہیں ہے لہٰذا اس کے اعمال کے انبار اور پہاڑ، صدق یقین والے کے مقابلے میں ریت کا تودہ بھی نہیں۔

ہمارے مولانا احمد جان صاحب کے داماد نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ مولانا صاحب ابھی نوعمر

تھے، اس زمانے میں انگریزوں کا یہ آرڈر آیا کہ گندم ساری کھلم کھلا لاؤ گے، اس کو حکومت خرید رہی تھی یا کوئی بات ہو رہی تھی۔ اب زمیندار بے چارے کیا کریں حکومت تنگ کر رہی ہے، سستا خرید رہی ہے، انھوں نے اپنی گندم کو چھپالیا، کہتے ہیں کہ ہمارے والد صاحب نے نیچے گندم کی بوریاں رکھیں اور اوپر بھوسہ ڈال دیا۔ ہمارے مروت اور خٹک علاقے کی فصل ہی گندم ہوتی ہے، وہ بھی زمینداروں کے ہاتھوں سے چلی جائے تو کیا کریں۔ تو کہتے ہیں کہ پولیس والے آئے اور کہا کہ تمھاری گندم کہاں ہے؟ میں نے دل میں کہا اب ہماری گندم لے جائیں گے، ہم کیا کریں گے اور والد صاحب نے چھپائی ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں کہ میری تربیت اور طبیعت ایسی تھی کہ جھوٹ نہ بول سکا، میں نے کہا کہ اس بھوسہ کے نیچے پڑی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر پولیس والوں کا دل نرم ہو گیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا کہ چھوڑ دو، اور چلے گئے، سچ بولنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری حفاظت بھی کی اور ہمارا کام بھی بنا دیا۔ سچ بات ہے مسلمان ہم ہیں لیکن ہمیں یہ بات حاصل نہیں ہے کیونکہ مفاد کی جگہ پر حکم ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

تعلق مع اللہ کی نسبتیں:

فرمایا کہ جاننا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ بندوں کا تعلق دو رُخوں کا ہوتا ہے۔ صوفیائے محققین ایک تعلق کو نسبتِ ولایت کہتے ہیں اور دوسرے تعلق کو نسبتِ نبوت کہتے ہیں۔ نسبتِ ولایت والا تعلق اقویٰ اقرب اور احلیٰ (زیادہ مضبوط، زیادہ قریب اور زیادہ میٹھا) ہے بمقابلہ نسبتِ نبوت والے تعلق کے۔ اس بات سے ظاہری نظر والوں کو بڑا خوف محسوس ہوگا کہ اس طرح تو اولیاء کا درجہ انبیاء سے بڑھایا جا رہا ہے۔ بات ایسی نہیں بلکہ ہر نبی کو نسبتِ ولایت اور نسبتِ نبوت دونوں نسبتیں اپنے اپنے درجے کے مطابق پوری قوت کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔

﴿۱﴾ نسبتِ ولایت:

نسبتِ ولایت انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاتی وانفرادی تعلق کو کہتے ہیں۔ جس میں سب سے کٹ کٹا کر اور چھٹ چھٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جانا ہوتا ہے۔ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو) اس حالت میں اللہ کے غیر کی طرف متوجہ ہونا اور اللہ کے

غیر میں مشغول ہونا انسان کے لیے ایک مجاہدہ ہوتا ہے۔اس نسبت والے لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انفرادی اعمال بصورتِ ذکر، تلاوت، نوافل، مراقبہ واعتکاف میں مصروف رہتے ہیں۔ان اعمال میں ان کو بہت ہی زیادہ لطف و کیفیات بصورتِ رقتِ قلبی (دل کی نرمی)، گریہ وصیحہ (رونا دھونا اور چیخ وپکار) حاصل ہوتے ہیں۔ذاتِ ذوالجلال کی یاداوران کے ساتھ تنہا ہونا ان کے دل کا ارمان اور چاہت ہوجاتی ہے۔تعلق مع الانام (لوگوں کا تعلق) سے ان کو وحشت ہوتی ہے۔بعضے اولیاء اللہ کی ساری عمر اسی نسبت کے انہماک میں گزری ہے، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ، علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ اس رُخ کی شخصیات گزری ہیں۔

﴿ب﴾ نسبتِ نبوت:

نسبتِ نبوت عوام الناس میں اشاعتِ دین کی کوششوں سے عبارت ہے۔جس میں تدریس، تعلیم، تبلیغ، جہاد وقتال اور قضا وسیاست شامل ہیں۔ان باتوں کو انبیاء علیھم السلام اور ان کے نائبین بامرِ الٰہی سرانجام دیتے ہیں۔اس میں گویا مشاہدۂ الٰہی براہ راست نہیں ہے بلکہ بذریعۂ مرأۃ خلق (مخلوق کے آئینے سے) ہے۔چنانچہ نسبتِ ولایت اقرب اور احلیٰ ہے تو نسبتِ نبوت اصعب (مشکل) اور اثقل (بوجھ والی) ہے۔چنانچہ انبیاء علیھم الصلوۃ السلام کے لیے نسبتِ ولایت کے براہ راست مشاہدہ سے ہٹ کر مشاہدہ بذریعہ مرأۃ خلق کی طرف متوجہ ہونا مجاہدہ ہوتا ہے۔بہرحال چونکہ عوام میں اصلاح کا کام کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لیے ذاتِ ذوالجلال سے دُوری کا مجاہدہ برداشت کرتے ہوئے وہ اس کام کو کرتے ہیں اور جوں ہی اس سے فارغ ہوجائیں تو براہ راست مشاہدہ بصورت اعمال انفرادیہ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلیٰ رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝ (الانشراح:۶،۷)

ترجمہ: تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوجایا کریں تو (دوسری عبادات متعلقہ بذاتِ خاص میں) محنت کیا کیجئے۔(بیان القرآن)

یعنی جب خلق کے سمجھانے سے فراغت پائے تو خلوت میں بیٹھ کر محنت کرتا کہ مزید یُسر کا سبب بنے اور اپنے رب کی طرف (بلاواسطہ) متوجہ ہو۔(تفسیر عثمانی)

حضورِ اقدس ﷺ سب سے بڑے مبلغ، سب سے بڑے مدرس اور سب سے بڑے مربی ہیں۔ آپ کی فکر سارے عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے اور یہ فکر آپ کو فکر کے درجے سے بڑھ کر غم اور کڑھن بلکہ دُکھ اور درد کی حد تک حاصل ہے۔ جس کے بارے میں قرآن پاک کی آیت:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ النَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (الکہف:٦)

ترجمہ: (اور آپ جو ان پر اتنا غم کھاتے ہیں) سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

لیکن اس سب بات کے باوجود آپ اسی فکر میں پڑ کر وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ والے مطالبہ سے فارغ نہیں ہوئے۔ رات کے وقت نماز کا اتنا طویل قیام جس میں چھ چھ پارے کی ایک رکعت کا بھی تذکرہ ہے اور پاؤں مبارک کے ورم سے پھُول جانے کا اور پھٹ جانے کا بھی تذکرہ ہے۔

سلاسل سے منسلک سالکین کو پانچ نمازوں کے علاوہ چار اوقات ایسے ھیں کہ ان کی پابندی کرنی چاھئے:

فرمایا کہ سلاسل سے منسلک سالکین کو پانچ نمازوں کے علاوہ چار اوقات ایسے ہیں کہ ان کی پابندی کرنی چاہئے اور ان میں انفرادی اعمال میں خوب دل لگا کر اور جان تھکا کر کام کرنا چاہئے۔ ان چار اوقات کے قرآن وحدیث میں بہت فضائل آئے ہوئے ہیں۔ وہ چار اوقات آدھی رات کے بعد صبح تک، نماز فجر سے نماز اشراق تک، عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک ہیں۔ ان چار کی پابندی اگر ممکن نہ ہو تو کم از کم تہجد کے علاوہ ایک مزید وقت ضرور اس کے لیے فارغ کرنا چاہئے۔

جلوت کے ساتھ خلوت نہ ہو تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ بیٹری کو کم اور ڈم کرتے کرتے کہیں جلوت مکمل مُردہ (ڈسچارج) ہی نہ کر لے:

فرمایا کہ دین کا کام کرنے والے جو دین کے مختلف شعبوں میں مشغول ہیں بعض اوقات ان شعبوں میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذات کی فکر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور اپنے شعبوں کے کاموں کو نبھاتے ہوئے کچھ اوقات میں سب سے تنہا ہو کر انفرادی اعمال کے ذریعے قربِ الٰہی میں کوشش کرنے کے الیٰ ربک فارغب والے مطالبے سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اس میں محققین

نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ جس آدمی کا عوام الناس میں اختلاط کرتے ہوئے تو بہت دل لگ رہا ہو اور اپنی ذات سے تنہائی میں انفرادی اعمال کے ذریعے قربِ الٰہی کی کوشش میں دل نہ لگ رہا ہو تو اس میں اس بات کا خطرہ ہے کہ اشاعتِ دین کے کام کہیں تقریر کی شعلہ بیانی، درس کی روانی، تحریر کی جولانی کی خاطر نہ ہو رہے ہوں نیز امیر، ناظم اور مہتمم بننے کے ذریعے جذبۂ جاہ کے لیے تو نہیں ہو رہے۔ کیونکہ انبیاء علیھم الصلوٰۃ السلام کو تو نسبتِ ولایت سے نسبتِ نبوت تک منتقل ہوتے ہوئے مجاہدہ محسوس ہوتا ہے لہٰذا اگر ہمیں اس کے برعکس محسوس ہو رہا ہو تو یہ بات متفکر کرنے والی ہے۔

عام طور پر چونکہ اشاعت دین کے کاموں کا زیادہ فائدہ سامنے آرہا ہوتا ہے اس لیے اسی کی طرف زیادہ متوجہ ہو کر دوسری طرف نظر انداز ہو جاتی ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک تو بیٹری کا چارج ہونا ہے اور ایک اس کا استعمال ہونا ہے، فائدہ تو استعمال ہوتے ہوئے ہی نظر آتا ہے لیکن استعمال تو تب ہی ہوگی جب چارج ہوگی لہٰذا جتنا اہم استعمال ہے اتنا ہی اہم چارج ہونا بھی ہے۔

مشائخ کاملین کی سوانح عمریاں پڑھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی زندگی انتہائی عوامی ہوتی ہے۔ در و دربان کی پابندیوں سے فارغ ہوتے ہیں۔ شاہ و گدا کسی کے لیے روک ٹوک نہیں ہوتی لیکن اوقات خلوت کو حاصل کرنے کے لیے در و دربان کی پابندیاں وہ بھی کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر اپنے باطن کا حال ہی دُرست نہیں رہتا تو دوسرے کو کیا فائدہ پہنچائیں گے۔ جلوت کے ساتھ خلوت نہ ہو تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ بیٹری کو کم اور ڈِم کرتے کرتے کہیں جلوت مکمل مردہ (ڈسچارج) ہی نہ کر لے۔ چنانچہ حضرت عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں اس خلوت کا خاص تذکرہ ہے۔

بندہ مارچ ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۴۰۰ھ) میں اپنے شیخِ اوّل حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے شیخِ ثانی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی حاضر ہوا تو حضرت جی کے خدام نے فرمایا کہ حضرت مغرب تا عشاء اپنے حجرے میں بند ہوتے ہیں اور نوافل میں سوا پارہ پڑھتے ہیں اور اس وقت میں کسی سے ملاقات نہیں فرماتے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ عمومی ملاقات فرماتے تھے۔

(جاری ہے)

عید کی نماز (پہلی قسط)

(مفتی شوکت صاحب، صوابی)

لغوی معنی:

عید ہر وہ دن، جس میں کسی صاحب فضل شخصیت یا کسی بڑے واقعہ کی یادگار مناتے ہوں، کو کہا گیا ہے۔ اس کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ ہر سال لوٹ کر وہ دن آتا ہے۔

(مصباح الغات ص/۵۸۳)

واصل العید عود لانہ مشتق من عاد یعود او ھوالرجوع

(بذل المجھود ص ۲۰۰، ج ۲)

واصل معنی (عید) لغةً عود، والعود ھو الرجوع، فھو یعود و یتکرر بالفرح کل عام ....(الفقہ الاسلامی ج۲، ص ۱۳۸۶)

اور عید کا اصل (لغوی معنی) عود ہے اور عود بمعنی رجوع کے ہے، چونکہ عید بھی ہر سال دوبارہ آتی ہے لہٰذا اس کو عید کہا گیا۔

اور اسکی جمع قاعدہ کے مطابق اعواد ہونی چاہئے تھی مگر عود بمعنی لکڑی کی جمع سے فرق کرنے کیلئے اس کی جمع اعیاد آتی ہے ....(مصباح اللغات ص/۵۸۳)

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں عید "عیدالفطر" اور "عیدالاضحیٰ" کے دونوں کو کہا جاتا ہے جن کے اندر مسلمان اسلامی شریعت کے مطابق خوشیاں مناتے ہیں۔

☆ شرعت فی السنة الاولی من الھجرة کما رواہ ابوداؤد عن انسؓ قال قدم رسول اللہ ﷺ المدینة ولھم یومان یلعبون فیھما فقال ما ھذان الیومان قالوا کنا نلعب فیھما فی الجاھلیة فقال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد ابدلکم بھما خیراً منھما یوم الاضحی ویوم الفطر .. رواہ ابو داؤد باب صلوٰة العیدین...

(الفقه علی المذاهب الاربعه : ص ۲۹۸ ، ج ۱)

(الفقه الاسلامی المبحث الرابع، ج ۲، ص ۱۳۸۶)

ترجمہ: ہجرت کے پہلے سال (عید) مشروع ہوگئی تھی چنانچہ ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (ہجرت فرما کر) مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو وہاں دو دنوں میں لوگ خوشیاں مناتے ہوئے کھیل کود میں مشغول ہوتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان دنوں کے بارے پوچھا، انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ان دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی جگہ اس سے بہتر خوشی کے دن مقرر فرما دئے، ایک عیدالاضحیٰ دوسرا عیدالفطر کا دن۔

نمازعید کا حکم:

عید کے دن کی اصل حیثیت نماز عید کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مختصراً نماز عید کی شرعی حیثیت بھی اجاگر کردی جائے۔ اس میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرات شوافع:

حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔

(۱) قال النووی هی عندالشافعی وجماهیر العلماء سنت مؤکدة

(بذل المجهود ج ۲، ص ۲۰۰)

ترجمہ: امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(۲) الشافعیةُ قالوا هی سنة عین مؤکدة لکل من یؤمربا لصلوٰة...

(الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۲۹۷ ، ج ۱)

حضرات مالکیه:

کے نزدیک ایسی سنت مؤکدہ ہے کہ تاکید میں مثل وتر کے ہے۔

قالوا هی سنه عین مؤکدة تلی الوتر فی التاکید

.... (الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۲۹۷ ، ج ۱)

ترجمہ: حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز (ایسی) سنت مؤکدہ ہے کہ تاکید میں وتر کے قریب ہے۔

حضرات حنابلہ:

کے نزدیک عید کی نماز ہر اس شخص پر فرض کفایہ ہے،
جس پر نماز جمعہ لازم ہے، (یعنی جمعہ کے شرائط عید کی نماز کیلئے بھی ہیں)

قالوا صلوٰة العيد فرض كفاية على كل من تلزمه صلوٰة الجمعة.

(الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۲۹۷ ، ج ۱)

حضرات احناف:

کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ جس شخص پر جمعہ لازم ہے، اس شخص پر جمعہ کے شرائط کیساتھ عید کی نماز بھی واجب ہے۔

(۱) وقال ابو حنيفةؒ هی واجبة ...(بذل المجهود ج ۲، ص ۲۰۰)

(۲) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وهی واجبة و هو الاصح هٰكذا فی محيط السرخسی

.... (هنديه ج ۱، ص ۱۴۹)

ترجمہ: اور یہ (نماز عید) واجب (یعنی لازم) ہے اور یہ صحیح ہے اسی طرح محیط السرخسی میں بھی منقول ہے۔

(۳) صلوٰة العيدين واجبة فی الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها

(الفقه علی المذاهب الاربعة : ص ۲۹۷ ، ج ۱)

ترجمہ: جس پر جمعہ لازم ہے اس پر بشرائط جمعہ عید کی نماز واجب ہے۔

(جاری ہے)

اُستاذی حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب میرے والد صاحب کے عزیز دوست اور رفیقِ کار (Collaegue) تھے۔ میرے ہائی سکول شنکیاری میں نہم اور دہم جماعت کے استاد تھے۔ بعد میں جب میں اسی ہائی سکول میں مدرس (Teacher) ہوگیا تو میں بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کا رفیقِ کار ہوگیا۔ زمانۂ طالب علمی سے لے کر اب تک مفتی صاحب سے میرا تعلق رہا جو اب بھی برقرار ہے۔

جناب مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب جامعہ اشرفیہ کے فارغ التحصیل ہیں، فقہ میں اچھی مہارت ہے، فتویٰ دیتے ہوئے شامی کی عبارتیں زبانی یاد ہوتی ہیں۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے خادم رہے ہیں۔ ایک دن میں نے مجاہدِ ختمِ نبوت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ چھیڑا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ ''حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جامعہ اشرفیہ میں داخل کروایا تھا اور اس کے علاوہ جامع مدینہ کے ایک کمرے کچھ عرصہ اکٹھے بھی رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد میں سول سیکریٹریٹ لاہور میں خطیب ہوگیا۔ سول سیکریٹریٹ مغربی پاکستان لاہور میں ان دنوں ایک بہت بزرگ شخصیت اکاؤنٹنٹ جنرل مغربی پاکستان کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس شخصیت کا نام حاجی سرفراز خان صاحب تھا۔ حاجی سرفراز خان صاحب علاقہ بیروٹ ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ کسی بزرگ کے تعلق والے تھے اور اتوار کو ان کے گھر پر مجلس بھی ہوتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ حاجی سرفراز خان صاحب کے ساتھ میرا تعلق تھا، انہوں نے ایک دن مجھے بتایا کہ میں صوبہ سرحد میں comptroller شمالی علاقہ جات کی پوسٹ پر تھا۔ آج کل اس پوسٹ کو اکاؤنٹنٹ جنرل (A.G) کہتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ آرمی میں ہزارے کا ایک میجر ہے اس کا نام ایوب خان ہے اور انگریز جرنیل نے اس کی فائل پر سرخ نشان لگا کر اس کو مزید ترقی کے لئے غیر موزوں قرار دے دیا ہے۔ حاجی سرفراز خان صاحب نے بتایا کہ میں نے اس انگریز جرنیل، صوبہ سرحد کے اُس وقت کے وزراء اور اعلیٰ افسران کی دعوت کی اور اس دعوت میں ایوب خان کو بھی بلایا۔ اس دعوت سے انگریز جرنیل کو یہ تاثر ملا کہ ایوب خان افسروں اور سیاسی لوگوں میں اچھے خاصے تعلق اور مقبولیت والا آدمی ہے۔ لہٰذا دو ہفتے بعد اس نے ایوب خان کی فائل منگوا کر اُس کو میجر سے

لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی۔ حاجی سرفراز خان صاحب نے مزید بتایا کہ جہاں اب پشاور یونیورسٹی ہے یہ جگہ جنگل ہوتی تھی۔ میں اور ایوب خان صبح سویرے گھوڑے دوڑاتے ہوئے یہاں تک جاتے تھے۔ الغرض ساری عمر ایوب خان حاجی سرفراز خان صاحب کا بڑا قدردان اور معتقد تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے اس کے بعد ہزاروی صاحبؒ کے بارے میں بتایا کہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو حکومت نے نظر بند کیا ہوا ہے۔ میں ہزاروی صاحبؒ سے ملنے جہاں وہ نظر بند تھے وہاں گیا اور عرض کیا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا ہزارویؒ نے کہا کہ میں تو گھر سے باہر نہیں جاسکتا۔ یہاں سے باہر جانے کے لئے مجھے S.S.P. سے اجازت لینا پڑتی ہے اور لاہور سے باہر جانے کے لئے ڈی آئی جی سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ تم کس طرح میری دعوت کرو گے؟ میں نے کہا کہ میں آپ کو اجازت لے کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔ چنانچہ اُس وقت کے ایس ایس پی عبدالرؤف اور کزئی سے اجازت لے کر ہزاروی صاحبؒ کو اپنے گھر لے گیا۔ یہ ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب تھی، سردیوں کا موسم تھا۔ میں نے رات کو آپ کے لئے ایک مرغا پکایا۔ جب ہم کھانا کھانے لگے تو حضرت ہزارویؒ نے مرغ کے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ پورا مرغ میں نے آپ ہی کے لئے پکایا ہے اور لیں۔ تو انہوں نے کمال عاجزی سے فرمایا دومره نه دی خوړل پکار چه ده نعمت نا قدري اوشي (کہ اتنا نہیں کھانا چاہئے کہ نعمت کی ناقدری ہو)۔ اس کے بعد حضرت ہزارویؒ نے فرمایا کہ اس کمرے میں ایک لوٹا پانی رکھ لینا۔ میں نے لوٹا رکھ دیا اور خود جا کر سو گیا۔ رات تقریباً ایک بجے حضرت مولانا ہزارویؒ کے کمرے سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو یا کسی پر نزع کی تکلیف ہو۔ چنانچہ میں پریشانی کے عالم میں اٹھا اور دروازے کی روزن سے اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ہزارویؒ مصلے پر کھڑے ہیں، اُن پر شدید گریہ طاری ہے اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔

؎ آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں حضرت ہزارویؒ کو ایک بڑے عالم اور بڑے سیاسی لیڈر کے طور پر جانتا تھا، اس رات پتہ چلا کہ حضرت مولانا ہزارویؒ صاحبِ باطن اور صوفی صافی بھی ہیں۔

اگلی صبح اتوار کا دن تھا میں اور حضرت ہزارویؒ حاجی سرفراز خان صاحب کے گھر گئے اور اُن کی مجلس میں بیٹھے۔ مجلس میں آیتِ کریمہ کا ختم بھی ہوا۔ بعد فراغتِ ختم حضرت مولانا ہزارویؒ نے فرمایا کہ دیوبند سے آنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ یہ ختم پڑھا ہے ایسا ختم تو دیوبند میں ہوتا تھا۔ مجلس کے اختتام پر میں نے حاجی سرفراز خان صاحب سے کہا کہ حکومت نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو لاہور میں نظر بند کیا ہوا ہے۔ انہوں نے بیٹے کو آواز دی کہ ٹیلی فون لاؤ۔ اُن کا بیٹا ایک لمبی تار والا ٹیلی فون لایا۔ اُنہوں نے ہوم سیکریٹری کا فون ملایا اور کہا کہ آپ نے مولانا ہزارویؒ کو کیوں نظر بند کیا ہوا ہے؟ اُن کو فوراً رہا کریں اگر ان سے پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار ہوں گا۔ اکاؤنٹنٹ جنرل مغربی پاکستان حاجی سرفراز خان صاب کے کہنے پر باوجود اتوار کی چھٹی کے ہوم سیکریٹری نے مولانا ہزارویؒ کی نظر بندی ختم کردی اور اس کی دستی چٹھی حضرت ہزاروی صاحبؒ کو پہنچادی گئی۔

مولانا ہزارویؒ نے حاجی سرفراز خان صاحب سے کہا کہ آپ ایوب خان سے میری ملاقات کا بندوبست کریں میں اس کو چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ فوج میں قادیانیوں اور رافضیوں کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ سے ہمیں بہت خطرہ ہے اس کا کچھ انتظام کریں تاکہ اسلام اور پاکستان محفوظ رہیں۔ ساتھ ہی حضرت ہزارویؒ نے کچھ فوجی افسروں کے نام لئے جو مجھ سے بھول گئے ہیں۔ پھر حضرت ہزارویؒ کی ایوب خان سے ملاقات ہوئی یا نہیں اس کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا۔ حضرت ہزارویؒ فرماتے تھے کہ مجھے علاقے کے خوانین نے یہاں نظر بند کرایا ہوا ہے تاکہ میں انتخابات میں حصہ نہ لے سکوں ورنہ میرا اور کوئی جرم نہیں۔ نظر بندی ختم ہونے کے بعد آپ اپنے علاقے میں تشریف لائے اور ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں ہارون خان عرف بادشاہ خان کو ہرایا۔ اگلے انتخابات میں بادشاہ خان کے بھائی اور صوبہ سرحد کی مشہور سیاسی شخصیت حنیف خان کو شکست دی اور قومی اسمبلی کے رکن (MNA) منتخب ہوئے۔ اسمبلی میں انہوں نے معرکۃ الآراء مذہبی وسیاسی خدمات انجام دیں۔

حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ میری عمر اُس وقت ۲۲ سال سے زیادہ نہیں تھی مگر جب بھی میں حضرت ہزارویؒ سے ملنے جاتا تھا تو باوجود برخوردارانہ تعلق کے کھڑے ہوکر استقبال کرتے اور مذکورہ بالا واقعہ کی وجہ سے ازحد شفقت فرماتے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور مفتی صاحب کو صحت وعافیت عطا فرمائے۔ امین!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا عِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ

اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنِ o رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصَّالِحِیۡنِ o رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًاوَّ اَنۡتَ خَیۡرُالۡوَارِثِیۡن o رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرًا ط اِلٰھِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدۡ خَلَقۡنَاالۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍمِّنۡ طِیۡنٍ o ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارِمَکِیۡنٍ o ثُمَّ خَلَقۡنَاالنُّطۡفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقۡنَاالۡعَلَقَۃَمُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَاالۡمُضۡغَۃَعِظٰماًفَکَسَوۡنَاعِظٰمَ لَحۡماً ق ثُمَّ اَنۡشَئۡنٰہُ خَلۡقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡن o رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصَّالِحِیۡن o رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًاوَّ اَنۡتَ خَیۡرُالۡوَارِثِیۡن o رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَدُنۡکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرًا ط اِلٰھِی بَحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام۔

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دوسو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی		بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی		بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی

اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰالِحِيْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْن o رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَةً طَيِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنٰثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِى بحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْن o رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰالِحِيْن o رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْن o رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَةً طَيِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنٰثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِى بحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ

میں لا الہ الااللّٰہ دوسوبار، الااللّٰہ چارسوبار اللّٰہُ اللّٰہ چھ سوبار، اللّٰہ سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی — موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی — کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا — وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا — دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا — پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی   بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی   بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆